Soulmate

ہمجان

فارس مُغل

زیب پبلشرز
42-urdu bazar lahore
0333-4312008

''محبت کے رخسار پر لکھی کہانی''

''ایک خوبصورت سا پِنک گلاب دینا'' نابینا نوجوان نے پھول والے سے کہا

دکاندار کے پاس پِنک گلاب دستیاب نہ تھا لیکن اس نے دیکھا کہ اسکا گاہک نابینا ہے

چنانچہ اس نے نوجوان کو سرخ گلاب، پِنک کہہ کر تھما دیا۔۔نوجوان پیسے ادا کرکے وہاں سے

چل دیا۔

اب نوجوان بس اسٹاپ پر نوجوان لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا

''تم نے صبح فون کرکے کیوں پوچھا تھا کہ میں آج کس رنگ کا لباس پہنوں گی'' لڑکی

نے مسکرا کر استفسار کیا

نوجوان نے کوٹ کی جیب سے پِنک گلاب نکال کر اسے پیش کیا'' اب تم اپنے پِنک

لباس کے ساتھ یہ پِنک گلاب اپنی زلفوں میں لگاؤ گی تو مجھے یقین ہے کہ اور خوبصورت لگو

گی۔۔آج تم کالج فنکشن میں گانا گانے والی ہو، نا''

''تم نے یہ پھول کہاں سے خریدا ہے'' لڑکی کو پھول کا رنگ دیکھ کر حیرت ہوئی لیکن وہ

سمجھ گئی کہ پھول والے نے اسے دھوکہ دیا ہے

''وہ پچھلی سڑک کے کنارے ایک پھولوں والی دکان سے۔۔کیوں؟۔۔۔پھول میں

کچھ خرابی ہے؟؟'' نوجوان کی بے نور آنکھوں میں اداسی چھا گئی

''نہیں'' لڑکی کو دکاندار پر شدید غصہ آیا لیکن وہ پی گئی'' بے انتہا خوبصورت پھول

ہے۔۔بالکل میرے لباس جیسا۔۔۔love you''

نوجوان کا بجھا ہوا چہرہ یکدم کھل کر گلاب بن گیا "...love you too"

لڑکی کی کالج بس آ گئی۔۔نوجوان اسے الوداع کہہ کر آگے بڑھ گیا۔"اپنا بہت خیال رکھنا"

☆☆

کالج میں لڑکی کی سہیلیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا

"آج تو بہت غضب کی خوبصورتی تم پر اتری ہوئی ہے"

"نئی نویلی دلہن لگ رہی ہو"

"نگاہ نہیں ٹِک رہی تم پر"

"لیکن۔۔اگر بالوں میں بھی سرخ گلاب کی جگہ پِنک گلاب ہوتا تو ملکۂ حُسن کا خطاب لینے سے تم کو کس میں جرأت تھی کہ روک سکتا"

لڑکی نے بالوں میں سجے سرخ گلاب کو چھوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا"یہ پِنک گلاب ہی تو ہے"

"لیکن ہم سب کو یہ کیوں سرخ کھائی دے رہا ہے"سب سہیلیاں ہنسنے لگیں

"کیونکہ تم سب محبت کے رنگ سے ناآشنا ہو"لڑکی نے بالوں سے پھول نکال کر اسے بوسہ دیا۔۔پِنک لپ اسٹک کا نشان سرخ گلاب پر چمکنے لگا!!

ویرا کو یہ کہانی بے حد پسند تھی!

﴾﴾﴾حصہ اول﴿﴿﴿

ہونٹوں سے بندھا رشتہ

فن پاروں کی نمائش میں لڑکی ایک بہت ہی دلچسپ فن پارے کو انہماک سے دیکھ رہی تھی۔فن پارے پر sold کی پرچی چسپاں تھی جس کا مطلب تھا کہ فن پارہ فروخت ہو چکا ہے۔فن پارے میں ایک ریسٹورنٹ کی منظر کشی کی گئی تھی، جس میں ایک شفاف شیشے کی میز کے دائیں جانب خوبصورت دوشیزہ اپنی ٹھوڑی تلے ہاتھ جمائے اپنے مقابل بیٹھے ہوئے ایک خوبرو نوجوان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور چائے کی چسکی لیتے ہوئے نوجوان کی نظریں دوشیزہ کے پرکشش چہرہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔۔لیکن اس تمام منظر کشی میں مصور نے کمال مہارت سے شیشے کی شفاف میز پر دونوں کے عکس کچھ اس طرح بنائے تھے کہ جہاں دوشیزہ کا عکس ہونا چاہیئے تھا وہاں نوجوان کا عکس تھا اور اسی طرح نوجوان کے عکس کی جگہ دوشیزہ کی شبیہ تھی۔

''کس قدر کمال شاہکار ہے'' لڑکی نے زیرِ لب کہا

''مصور نے اس میں ہیجان کی تصویر کشی کی ہے'' ایک انتہائی ملائم مردانہ آواز نے لڑکی کی الجھن بھانپتے ہوئے کہا

لڑکی نے مڑ کر عقب میں کھڑے سفید داڑھی والے قد آور آدمی کو دیکھا جو اپنی وضع قطع سے انتہائی معزز معلوم ہو رہا تھا

''آپ نے کچھ کہا؟''

آدمی نے مسکراتے ہوئے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔

لڑکی چند لمحے غور سے اسکی طرف دیکھتی رہی اور پھر فن پارے پر نگاہیں جماتے ہوئے

قدرے حیرت سے بولی ''ہمجان! آپ کا مطلب soulmate''

''بالکل''

''سب فلمی باتیں ہیں'' لڑکی کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی

آدمی آہستہ سے قدم بڑھاتے ہوئے لڑکی کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے اسی مسکراہٹ کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنا تعارف پیش کر دیا ''میرا نام عبدالعلیم ہے اور انڈیا کی ایک یونیورسٹی میں فلسفہ کا پروفیسر ہوں''

لڑکی نے اپنا تعارف کروانے سے گریز کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا ''یہ فن پارہ آپ نے خریدا ہے؟''

پروفیسر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اسے خرید کر بہت بڑی غلطی کر چکا ہوں''

لڑکی عجیب نظروں سے فن پارے کو دیکھنے لگی

''میں سمجھا تھا کہ اگر جوڑے واقعی آسمانوں پر بنتے ہیں تو روئے زمین پر بسنے والے ہر اک ذی روح کا ہمجان ضرور موجود ہوگا۔ لیکن۔۔'' پروفیسر لڑکی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کچھ توقف کے بعد بولا ''لیکن آج مجھے پتہ چلا کی یہ سب تو فلمی باتیں ہیں''

لڑکی یکدم کھلکھلا کر ہنس دی ''نہیں نہیں۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا''

پروفیسر مسکراتے ہوئے لڑکی کی جانب دیکھتا رہا۔ لڑکی کی ہنسی بے قابو ہوتی چلی گئی اور اس سے پہلے کہ وہ پروفیسر سے معذرت کر کے گیلری سے باہر جا کر خوب قہقہے لگاتی۔ پروفیسر نے اسکی ہنسی کو سرد خانے مین ڈال کر مقفل کر دیا

''کیا تم یہ جاننا چاہو گی پیاری لڑکی کہ تمھیں تمھارا ہمجان کب، کہاں اور کیسے ملے گا؟'' پروفیسر کے ہونٹوں پر ہنوز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی

لڑکی کو ایسا لگا جیسے اس کا سارا وجود زمین سے کئی فٹ اوپر ہوا میں معلق ہے اور وہ ہپنا ٹائزڈ ہو چکی ہے۔

''کبھی کبھی کچھ باتوں کے نہ جاننے میں ہی انسان کی عافیت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود میں تمھیں ایک ایسی ہی بات بتانا چاہتا ہوں۔۔تم اسے میری مجبوری سمجھ لینا''

لڑکی کی نگاہیں پروفیسر کے متحرک ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں اس وقت گیلری میں کافی تعداد میں لوگ موجود تھے لیکن اس بات سے بالکل بے خبر کہ ایک سفید ریش پروفیسر نے ایک نوجوان لڑکی کو ہپناٹائزڈ کر کے یرغمال بنا رکھا ہے

''سنو پیاری لڑکی!'' پروفیسر کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی ''شہر کی سب سے اونچی عمارت کی آخری منزل سے ہر شام کچھ دیر کے لیئے نیچے کی طرف دیکھتی رہنا جس شخص کا جوتا [illegible] ہوئے ٹوٹ جائے اور وہ اپنا جوتا ہاتھ میں لیئے تمھاری جانب دیکھ کر مسکرائے تو سمجھ [illegible] لہ وہی شخص تمھارا ہمجان ہے''۔۔لڑکی بت بن کر پروفیسر کی طرف دیکھ رہی تھی

کچھ توقف کے بعد پروفیسر نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے افسوسناک لہجہ میں کہا ''کاش میں یہ سب کچھ تمھیں بتانے پر مجبور نہ ہوتا''۔۔یہ کہتے ہوئے اس نے لڑکی کے چہرہ کے سامنے چٹکی بجائی۔جب لڑکی کو اپنے پاؤں زمین پر محسوس ہوئے تو اس کی نگاہیں فوراً لوگوں کے ہجوم میں ادھر اُدھر پروفیسر کو تلاش کرنے لگیں مگر پروفیسر جا چکا تھا اور دیوار پر آویزاں تصویر غائب تھی۔

لڑکی نے کاؤنٹر پر بیٹھی سرخ لپ اسٹک والی خاتون سے اس تصویر کے خریدار کے بارے میں دریافت کیا اسے معلوم ہوا کہ تصویر کا خریدار اسکی قیمت ادا کر کے جا چکا ہے!

لڑکی اگلے تین روز تک بخار میں مبتلا رہی، تین روز تک پروفیسر کا چہرہ اسکی آنکھوں کے پردوں پر مختلف اشکال میں پینٹ ہوتا رہا اور اسکی کہی ہوئی باتیں خانہءِ ذہن میں ادھر اُدھر

ٹکراتی رہیں۔ چوتھے روز بخار ٹوٹا تو ہر طرف سکون کی کیفیت تھی لیکن پروفیسر کا چہرہ اور اسکی باتیں پتھر کی سِل پر نقش ہو چکی تھیں ایسے ہی جیسے مانسہرہ میں شاہراہ ریشم کے قریب 'اشوک کے کتبے' رکھے ہوئے ہیں۔ لڑکی جب بھی پروفیسر کی باتوں کی بابت سوچنے لگتی تو بے چین سی ہو جاتی اس ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی طاقت ہے جو اسے یہ سب سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

''وہ پروفیسر تھا کہ جادوگر'' ایک دن لڑکی نے سوچا اور پروفیسر کی تصویر اپنی اسکیچ بک میں بنائی جس میں پروفیسر نے جادوگروں والا لمبا کوٹ اور سر پر وہ مخصوص ہیٹ پہنا ہوا تھا جس کے اندر سے جادوگر عموماً کبوتر، خرگوش نکالتے پھرتے ہیں۔ لڑکی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اسکیچ مکمل ہوتے ہی لڑکی اس فیصلے پر پہنچ چکی تھی کہ وہ پروفیسر کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آج شام ہی شہر کی سب سے اونچی عمارت پر جائے گی'' کیا خبر پروفیسر نے سب سچ کہا ہو، کیا خبر میرا ہمجان مجھے مل جائے، جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں لیکن زمین پر ہی تو ملتے ہیں۔ میرا ہمجان my soulmate'' لڑکی کا چہرہ حیا کی سرخی سے تمتمانے لگا۔ وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ پروفیسر کی تصویر کو دیکھتی رہی اور پھر تصویر کے بائیں جانب جلی حروف میں 'پروفیسر جادوگر' لکھ کر اسکیچ بک بند کر دی۔

☆☆☆

اس چھوٹے سے شہر کی سب سے بلند عمارت چار منزلہ تھی اسکی چوتھی منزل پر ایک کھلا ہوادار ریستورانت تھا جہاں سے شہر کی معروف شاہراہ صاف دکھائی دیتی تھی لڑکی پچھلے دو ماہ سے مسلسل روزانہ شام کو ریستورانت میں آتی اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ کر کافی سے لطف اندوز ہوتی اور شام ڈھلنے تک خاموشی سے نیچے سڑک کی بے ہنگم شور مچاتی زندگی کو اپنی اسکیچ بک میں ہمیشہ کے لیئے پُرسکون بنا کر لوٹ جاتی۔

اس دن دھیرے دھیرے رات اپنی سیاہ چادر سے سانولی شام کا بدن ڈھانپ رہی تھی

لڑکی نے حسبِ معمول اسکیچ مکمل کر کے اس غور سے دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کن انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے مکمل شدہ اسکیچ تلے ''انتظار کی آخری شام'' لکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور کرسی سے پشت لگا کر آنکھیں موند لیں۔۔وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب وہ آئندہ یہاں نہیں آئیگی

شاید پچھلے دو ماہ کے انتظار کا اثر تھا کہ وہ اپنے تخیل کے کینوس پر انتظار کی کیفیات میں رنگ بھرنے لگی ''ہم اپنی حقیقی زندگی میں سفر کا آغاز انتظار سے کرتے ہیں۔غربت میں امیری کا انتظار۔گمنامی مین شہرت کا انتظار۔بیماری میں شفایابی کا انتظار۔خشک سالی میں بارش کا انتظار۔اعلٰی تعلیم کے بعد ملازمت کا انتظار۔دعاؤں کی قبولیت کا انتظار۔جسے زمانہ شاہکار کہہ سے اس غزل ،ناول ،فن پارہ ،دھن کی تخلیق کا انتظار'' لڑکی کی سوچ گہری ہونے کے ساتھ ساتھ آسمان پر ستاروں کی تعداد بڑھنے لگی ''ہماری مشکل گھڑیاں آسودگی کے لمحات کی منتظر رہتی ہیں۔آرام کا انتظار ہمیں بے سکونی کی طرف دھکیل رہا ہے۔انتظار کا زہر روح میں اتر جائے تو آسمان سے تنہائی کا عذاب استقبال کے لیئے زمین پر اترتا ہے۔انسان کئی چہرے رکھتا ہے لیکن اسکا اصل چہرہ انتظار کے وقفوں میں ظاہر ہوتا ہے''

لڑکی نے آنکھیں کھول کر نیچے سڑک پر دور تک رینگتی ہوئی لال پیلی بتیوں کی طرف اچکتی ہوئی نگاہ ڈال کر آسمان پر ٹنگے ہوئے نقرئی چاند کی طرف دیکھا ''لیکن انتظار سے چھٹکارا ابھی تو ناممکن ہے''

یکا یک چاند میں پروفیسر جادوگر کا چہرہ نمودار ہوا ''انتظار سے چھٹکارا ناممکن سہی مگر انتظار کے کرب سے چھٹکارا تو ممکن ہے''

لڑکی دم بخود تھی

''پیاری لڑکی ،یاد رکھنا کہ انسان کی خواہش جتنی چھوٹی اور معصوم ہوگی اسکا انتظار اتنا ہی

پُرلطف ہوگا'' پروفیسر کا چہرہ غائب ہوگیا

لڑکی کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں اس نے یوں حیران نگاہوں سے اپنے اطراف کا جائزہ لیا جیسے ابھی ابھی نیند سے جاگی ہو۔اس نے تیزی سے میز پر سے اپنی اسکیچ بک ،پینسلز وغیرہ اکھٹی کر کے بیگ میں ڈالیں اور ابھی اس نے اٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک اس کی نظر نیچے سڑک کے اس پار کھڑے ایک نوجوان لڑکے پر ٹھہر گئی اسے عجیب سا محسوس ہونے لگا حالانکہ گزشتہ دو ماہ سے وہ سینکڑوں لوگوں کو فٹ پاتھ پر کھڑے اور گزرتے دیکھ چکی تھی

لڑکی کی سانس ایک لحظہ کے لیئے تھم کے رہ گئی۔فٹ پاتھ پر نصب کھمبے کی زرد روشنی میں نوجوان اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھائے کھڑا تھا۔وہ نوجوان پر نگاہ جمائے ہڑ بڑا کر کرسی سے اٹھی اور آہنی جنگلے کے پاس کھڑی ہوگئی۔وہ نوجوان کے چہرہ کے نقوش واضع طور پر دیکھنے سے قاصر تھی۔نوجوان اپنے ننگے پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھے ٹوٹے ہوئے جوتے کو جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا اچانک لڑکی کو نوجوان کے عقب میں پروفیسر جادوگر وہی ہمجان والی پینٹنگ بغل میں دبائے بوجھل قدموں سے گزرتا ہوا دکھائی دیا لڑکی کی نگاہوں نے اسکا تعاقب کرنا شروع کر دیا فٹ پاتھ کے آخر میں پروفیسر ہوا میں ہاتھ لہراتا ہوا غائب ہوگیا

لڑکی کی نگاہیں ایک مرتبہ پھر نوجوان پر مرکوز ہوگئیں نوجوان جوتا جوڑنے میں بالکل ناکام ہوگیا تو اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے چوتھی منزل پر مدھم سی روشنی میں کھڑی لڑکی کی طرف دیکھا اور اسکی طرف ایک بھرپور مسکراہٹ روانہ کر دی

''میرا ہمجان'' لڑکی نے زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا اور دوسرے ہی لمحے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔وہ چاہتی تھی کہ اپنے ہمجان سے پہلی ملاقات اس کھلے ہوادار ریستورانت میں کرے جہاں اس نے گزشتہ دو ماہ کی شامیں اسکے انتظار کے نام کی

تھیں جہاں پرنور ستاروں کے جھرمٹ میں چاند بطور گواہ موجود تھا

لڑکی نے دوبارہ ہاتھ ہلایا تو نوجوان نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ اسی سے مخاطب ہے تو اس نے اپنا ٹوٹا ہوا جوتا ہاتھ میں لہراتے ہوئے لڑکی کو دکھایا لڑکی نے اسے اشاروں سے سمجھایا کہ وہ اسکی فکر چھوڑ کر بس اوپر اسکے پاس چلا آئے

نوجوان نے چند لمحے لڑکی کی جانب دیکھ کر کچھ سوچا اور پھر بخوشی اس پار جانے کے لیئے فٹ پاتھ سے سڑک پر کود آیا۔سڑک کافی چوڑی تھی ۔۔نوجوان تیز رفتار گاڑیوں سے بچتا بچاتا سڑک پار کرنے لگا۔ایک تیز رفتار بس کو آتا دیکھ کر وہ بیچ سڑک کے رُک گیا اور اپنا ٹوٹا ہوا جوتا ہوا میں لہراتے ہوئے ڈرائیور کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی اور ایک لمحہ کے لیئے لڑکی کی طرف یہ تصدیق کرنے کے لیئے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ موجود بھی ہے یا اسے پاس بلا کر رفو چکر ہو چکی ہے

لڑکی وہیں کھڑی تھی

بس ڈرائیور نے رفتار آہستہ کرتے ہوئے نوجوان کو بھاگنے کا موقع دیا۔نوجوان ایک پاؤں میں جوتا نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً لنگڑاتا ہوا تیزی سے بس کے آگے سے گزرا۔لڑکی نے ایک زوردار چیخ ماری جسے ٹریفک کے شور کے باعث نوجوان سننے سے قاصر تھا۔بس کو اوورٹیک کرتے ہوئے ایک تیز رفتار جیپ نوجوان سے ٹکرا گئی

لڑکی کانپ اٹھی ۔۔دل کی دھڑکن نے سینے میں قیامت مچا دی وہ ریستورنت کی کرسیوں اور ٹیبلوں سے ٹکراتی سیڑھیوں پر نیچے کی جانب بھاگنے لگی۔

شہر کی مصروف شاہراہ پر اب گاڑیوں کے بے ہنگم ہارنوں کے ساتھ لوگوں کی آوازوں کا شور بھی فضا میں شامل ہو چکا تھا۔۔دور سے کسی ایمبولینس کا سائرن چیخ اٹھا۔لڑکی اپنے گردونواح کی پرواہ کیئے بغیر حواس باختہ ہجوم کی طرف بڑھی اچانک کسی سخت چیز سے اسے

ٹھوکر لگی اس نے اک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی تو وہ نوجوان کا خستہ حال جوتا تھا۔۔لڑکی نے لرزتے ہاتھ سے جوتا اٹھایا اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے ہجوم میں رستہ بنا کر نوجوان کے پاس جا پہنچی اور جونہی اسکی نگاہ نوجوان کی مسخ شدہ نعش پر پڑی۔۔لڑکی بے ہوش ہوگئی!

☆

اُس لڑکی کا نام ویرا تھا

قوتِ سماعت سے محروم لڑکی۔۔جس کی چھ برس کی عمر میں ایک شدید بخار کے بعد دھیرے دھیرے قوتِ سماعت جواب دیتی گئی لیکن بلوغت کی حد کو پہنچنے تک اسے اپنی محرومی کے ساتھ رہنے کی عادت نہیں بلکہ محبت ہو چکی تھی۔اس کے پاس مختلف رنگوں کے آلہء سماعت تھے لیکن نیلے اور گلابی رنگ کے آلہء سماعت اسکے پسندیدہ رنگ تھے۔اسکی سہیلیاں قوتِ سماعت سے محروم نہ تھیں جسکی اسے بے پناہ خوشی اس لیئے تھی کہ وہ بیچاریاں اسکی طرح روزانہ نئے رنگ کا آلہء سماعت لگا کر منفرد نظر آنے سے قاصر تھیں انکے کانوں میں ہمیشہ سونے یا چاندی کی بالیاں منہ لٹکائے رہتیں۔

ویرا کی شخصیت جانِ محفل قسم کی تھی۔لوگوں کے ہلتے لبوں کو پڑھ کر بات سمجھنے والی لڑکی۔خوبصورت بولتی ہوئی آنکھوں سے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہوئی لڑکی۔ پتلے پتلے لبوں سے دھیما دھیما مسکرانے والی لڑکی۔ وہ اکثر محفلوں میں اپنا آلہء سماعت شولڈر کٹ بالوں کے نیچے چھپا کر رکھتی اور جب کوئی انجان دل پھینک قسم کا لڑکا اسکی خوبصورتی سے متاثر ہو کر فلرٹ کرنے کی کوشش کرتا وہ یکدم اپنے کان کے اوپر سے بالوں کو پیچھے سمیٹ کر انگشت شہادت اپنے آلہء سماعت پر بجاتے ہوئے مسکرا کر یہ تاثر دیتی کہ 'تم اتنی دیر سے جو بھی بکواس کر رہے ہو مجھے کچھ سنائی نہیں دیا'۔۔ایسا کرنے میں اسے بہت لطف آتا آن ہی آن میں فلرٹ کرنے والے لڑکوں کے رویئوں میں اسے بدلاؤ محسوس ہونے لگتا جسے وہ

اوروں سے تو چھپا سکتے تھے لیکن اُس سے کیسے چھپا سکتے تھے جسکا روزانہ ایسے رویّوں سے واسطہ پڑتا تھا جسکی زندگی کے محدود دائرہ میں کسی ترس کھاتی ہوئی نگاہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ جسکی زندگی ایک ہی اصول پر رواں دواں تھی' کہ ہمدردی انسان کو انسان سے ہو تو قابلِ تحسین لیکن وہ ہمدردی جو انسان سے اسکی محرومی کو دیکھ کر کی جائے۔ نا قابلِ برداشت!!

اس حادثے نے ویرا کے اندر ایک خاص قسم کی سنجیدگی پیدا کر دی تھی ایک بے انتہا حسین وجمیل گملے میں اچانک کیکٹس کا پودا اُگ آیا تھا۔ وہ مرنے والے کے ساتھ گویا مر چکی تھی اور اسکی روح دونوں کا سوگ منا رہی تھی۔ وہ آئینہ بھی یوں دیکھتی جیسے آئینہ میں اسکا عکس کہیں کھو گیا ہو۔ اس پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسے قدرت نے کسی نو بیاہتا کو شادی کے اگلے روز ہی بیوگی کے عذاب میں مبتلا کر دیا ہو۔ جو اپنے محبوب کے فراق میں کبھی دل کھول کر چیختی چلاتی، کبھی خاموشی سے ہولے ہولے کراہنے لگتی اور کبھی چہرہ پر خود فریبی کے میک اپ کی ہلکی سی تہہ جما کر سکون سے بیٹھ جاتی گویا محبوب کے لوٹ آنے کی اطلاع موصول ہوئی ہو!

ویرا کی زندگی اب یکسر بدل چکی تھی۔ نوجوان کی مسخ شدہ نعش دیکھنے کے بعد وہ تقریباً پاگل ہو چکی تھی کئی ہفتوں تک شہر کے مشہور ماہر نفسیات سے اسکا علاج جاری رہا۔

اسکا دکھ بہت بڑا، سزا بہت کڑی اور قصور کچھ بھی نہیں

انسان کے پاس تو اتنا سا اختیار بھی نہیں ہوتا کہ ہو کسی لمحے، کسی نا قابلِ برداشت تکلیف، کسی کرب انگیز یاد کو اپنی مرضی سے فراموش کر سکے، اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر اپنے سرد ہاتھ رکھ کر آنسوؤں کو برف کر سکے۔ اپنے رِستے ہوئے گھاؤ پر مرہم رکھ سکے لیکن آسمان والے کا حکم شاید یہی ہے کہ بیمار مسیحا اپنا علاج خود نہیں کریگا۔ اسے کسی اور مسیحا کا احسان اٹھانا پڑے گا!!

☆☆☆☆

پانچ روزہ کانفرنس پر ویرا کو اسکی بڑی بہن شیزا اپنے ساتھ زبردستی اسلام آباد لے گئی تا کہ کوئٹہ کے خشک موسم سے نکل کر اسلام آباد کی تر و تازہ آب و ہوا میں اسکی طبیعت مزید اچھی ہو جائے۔ شیزا ایک بین الاقوامی آرگنائزیشن میں اچھے عہدہ پر فائز تھی۔ بے اولادی کے جرم کی پاداش میں شوہر چھ برس پہلے چھوڑ چکا تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد شیزا نے ویرا کو بالکل اپنی اولاد کی طرح محبت دی۔ دونوں بہنوں کے درمیان ایک بھائی نے بھی جنم لیا تھا لیکن کاتب تقدیر نے اسکی زندگی میں صرف دو بہاریں ہی لکھی تھیں وہ پیلے یرقان کا شکار ہو کر دو سال بعد وفات پا گیا تھا۔ اب گھر میں ویرا اور شیزا کے علاوہ انکی ایک دیرینہ ملازمہ رہتی تھی۔

ویرا اپنے ہمجان کی موت کے بعد بہت حد تک سنبھل چکی تھی بلکہ ماہر نفسیات نے اسکے دماغ سے ہمجان جیسی خرافات باہر نکال پھینکی تھی اور ویرا کا ذہن بھی ماہر نفسیات کی بات کو قبول کر چکا تھا کہ دنیا میں لوگ ملتے ہی بچھڑنے کے لیئے ہیں۔ کوئی انسان آسمان سے اپنے اوپر کسی کے نام کی مہر لگا کر زمین پر نہیں اترتا، سب فرضی باتیں ہیں۔ یہ 'ہمجان' کی اصطلاح نجومیوں اور دست شناسوں نے اپنی دکانیں چمکانے کے لیئے اخذ کر رکھی ہیں ورنہ در حقیقت انسان کو دنیا میں وہی کچھ ملتا ہے جو اس کے نصیب میں لکھا ہوتا ہے!

کانفرنس کا پہلا دن تھا۔

ویرا کی آنکھ کھلی تو تکیئے کے قریب ایک کاغذ رکھا ہوا تھا۔ ''ناشتہ کمرے میں منگوا لینا اور اسکے بعد سیدھی کانفرنس ہال میں چلی آنا''۔ ویرا نے شیزا کا ہدایت نامہ دوبارہ تکیئے پر اچھال دیا، اسکا ناشتہ کرنے کا بالکل موڈ نہیں تھا اور کانفرنس ہال جانے کا تو قطعاً نہیں۔ وہ آرام سے تیار ہوئی اور کمرے سے باہر نکل کر نیچے ہوٹل کی لابی میں آ گئی وہاں اچانک ایک خوبصورت پینٹنگ نے اسکی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی ابھی وہ پینٹنگ کو انہماک سے دیکھ ہی رہی تھی

کہ نیلی آنکھوں والا ایک نوجوان اپنا بائیاں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالے اس سے چار قدم پرے کھڑا ہو کر پینٹنگ کی طرف دیکھتے ہوئے دائیاں ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر باتیں کرنے لگا۔ ویرا نے اسکے ہونٹوں کی طرف دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ موصوف پینٹنگ کے بارے میں اپنی آرٹسٹک رائے سے ویرا کو نوازنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب اسکے ہونٹ اور ہاتھ ساکت ہوئے اور اس نے باقاعدہ ویرا کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً کان کے اوپر سے بالوں کو ہٹا کر اپنے گلابی آلہء سماعت کا دیدار کروایا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مدھم سی مسکراہٹ پھیکی پڑنے کی بجائے اور گہری ہوتی چلی گئی اور نیلی نیلی آنکھیں چمک اٹھیں

اُسکا نام ماجد تھا!

''معذرت چاہتا ہوں'' ماجد نے اپنے دونوں ہاتھوں کے اشاروں کے ساتھ اپنے ہونٹ ہلائے

ویرا کو بے اختیار ہنسی آ گئی ''اشاروں کی ضرورت نہیں ہے میں lip reading بخوبی کر لیتی ہوں''

کسی سماعت سے محروم فرد کو یوں بولتا دیکھ کر ماجد کو ایک اور دھچکا لگا لیکن وہ اسے ہلکے سے قہقہے میں صاف چھپا گیا

''مجھے آپ سے مل کر ایک دم سے خوشی ہوئی ہے'' اسکی مسکراہٹ واقع ہی جاذب نظر تھی ''کیا آپ میرے ساتھ coffee پینا پسند کریں گی؟''

ویرا نے اب تک ماجد کے عمر کے نوجوان عموماً لاابالی، کھلنڈرے ہی دیکھے تھے لیکن اسکے بات کرنے کا ڈھنگ اور وضعداری نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ چپ چاپ اس کی آفر منظور کر لے۔۔

''آپ lip reading کے علاوہ اور کیا کرتی ہیں؟'' ماجد نے coffee کی پیالی ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے پوچھا

''ڈپلومہ اِن فائن آرٹس'' ویرا کو اسکا اپنی ذات سے متعلق پہلا سوال بہت پسند آیا ورنہ لوگوں کا پہلا سوال ہی اسکے لیئے پریشان کن ہوتا کہ'' آپ کے ساتھ یہ معذوری کب سے ہے، کیسے ہوئی، کیوں ہوئی۔ ھائے بیچاری''۔

''میں اپنی این۔ جی۔ او کے ساتھ اس کانفرنس میں شرکت کے لیئے آیا ہوں لیکن میرا بالکل وہاں بیٹھ کر خود کو بور کرنے کا جی نہیں چاہ رہا''

اس نے ویرا کے پوچھے سے پہلے ہی ہوٹل میں اپنی موجودگی کی وجہ بیان کردی تھی

''اچھا تو یوں ہوتی ہیں کانفرنسز'' ویرا شرارت سے مسکرائی

ماجد نے خوبصورت سا قہقہ لگایا

''اور مجھے کوئٹہ سے میری بڑی بہن زبردستی یہاں بور کرنے لائی ہیں۔ بھلا میرا ایسی خشک و بے رنگ قسم کی کانفرنسز میں کیا کام۔۔۔''

''تو آپ اس وقت بور ہو رہی ہیں'' اس نے وہاں سے ویرا کا جملہ پکڑ کر مکمل کردیا کہ جس کے بعد بندہ ''نہیں۔ ایسی بات نہیں۔ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی وغیرہ'' کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔۔

باتوں سے بات نکلنے لگی

ویرا اپنے بالوں کو دونوں کانوں کے پیچھے سمیٹے اسکے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ کو پوری قوت سے سننے میں مصروف تھی۔ اسکی باتوں میں جادو گھلا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد ساتھ والی میزوں پر بہت سے لوگ اچانک آ کر بیٹھ گئے جسکی وجہ سے شور بڑھ گیا ویرا کی توجہ فطری طور پر بٹ گئی اور اسے مجبوراً اٹھ کر ماجد کی ساتھ والی کرسی پر نشست اختیار کرنا پڑی۔ ماجد پر

کشش مسکراہٹ کے ساتھ اپنی باتوں کا پنڈورا بکس کھولے بیٹھا تھا۔ ویرا نے محسوس کیا کہ وہ اسکے ساتھ بالکل ایسے بات کر رہا ہے جیسے اسے بھول چکا ہو کہ وہ ایک قوت سماعت سے محروم فرد سے بات کر رہا ہے اور اسکی باتوں کی رو میں بہہ کر فراموش کر بیٹھی تھی کہ وہ اسکے ہونٹ نہیں پڑھ رہی بلکہ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسکی آواز سن رہی ہے۔ اگر اس وقت بے دھیانی میں اسکے بال دوبارہ بھی اسکے کانوں کو ڈھانپ لیتے تو شاید اسے انہیں پیچھے سمیٹنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

شام پانچ بجے شیزا کمرے میں آئی تو کافی تھکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی لیکن اس کے باوجود اسکے چہرہ پر مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی اور بدستور ویرا کو معنی خیز نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ ویرا کو الجھن ہونے لگی "باجی! کیا بات ہے" آخر اس سے رہا نہ گیا۔

"تم کیوں ایسی پھیکی پھیکی بیٹھی ہوئی ہو، چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ باہر چلتے ہیں"

"کوئی خاص بات ضرور ہے" ویرا نے سوچا "ورنہ ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ تھکاوٹ بھی ہو اور باجی مسکرا بھی رہی ہوں"

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی شیزا نے کرسی پر اپنا تھکا ہوا وجود گراتے ہوئے اسے دروازہ کھولنے کو کہا۔۔

"آپ" دروازے کے باہر ماجد کھڑا تھا۔

"کیا میں آپ کی اجازت کے بنا اندر آ سکتا ہوں؟" وہ یہ کہتے ہوئے اندر بھی آ گیا اور ویرا اسے دیکھتی رہ گئی۔

ماجد اور شیزا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

ویرا اپنے ذہن پر زور دے رہی تھی کہ اس نے تو ماجد کو اپنا روم نمبر نہیں بتایا اور نہ ہی دوبارہ ملاقات کا کوئی عہد کر کے رخصت لی تھی پھر یہ۔۔۔ سب کچھ ویرا کی سمجھ سے باہر تھا۔

''ان سے ملو یہ ہیں ماجد۔۔''شیزا نے حیران و پریشان کھڑی ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ماجد کا تعارف کروایا

''اور یہ ہیں مس ویرا۔۔کیا آپ دونوں پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں؟''شیزا نے ماجد کی طرف دیکھ کر بناوٹ سے پوچھا

''ویرا آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟''ماجد اسے مخاطب کرتے ہوئے کرسی پر مزے سے بیٹھ گیا۔

ویرا بت بنی کھڑی دونوں کو بدھوؤں کی طرح دیکھے جا رہی تھی۔۔آخر شیزا نے اپنی نشست سے اٹھ کر اس حیرت کی ماری کو گلے لگایا اور ماجد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا''چلو اب زیادہ پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے''

''پریشان تو آپ نے انہیں کر دیا ہے''ماجد چمکتی آنکھوں سے مسکرانے لگا

''نیچے لابی میں انتظار کرو ہم تیار ہو کر آتے ہیں''شیزا نے حکم صادر کیا تو ماجد مخصوص معززانہ طریقے سے کرسی سے اٹھا اور''او۔کے باس''کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا،

اسکے جانے کے بعد شیزا نے ویرا کو بتایا کہ دورانِ کانفرنس وہ اسکے پاس آیا اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگا''میں آپ کی بہن کو coffee پلا کر آ رہا ہوں اسکا بل دے دیجئے''

دونوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

ویرا کی طرح شیزا کو بھی ماجد کی شخصیت میں بظاہر کوئی نقص نظر نہیں آیا تھا ماجد کا تعلق جس آرگنائزیشن سے تھا اس کے بارے میں شیزا بخوبی آگاہ تھی اور اکثر سیمینارز اور کانفرنسز میں دونوں کا آمنا سامنا رہتا تھا اس کے علاوہ شیزا کو ویرا کے ماجد کے ساتھ بیٹھ کر coffee پینے کی بے حد خوشی بھی تھی کہ اسکی بہن کم از کم اس ہیجان کے چکر سے تو پوری

طرح نکل آئی۔

''این۔جی۔اوز سیکٹر میں کام کرتے ہوئے مجھے لوگوں کو پرکھنا آ گیا ہے'' شیزا نے ویرا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا'' وہ ہمیں اسلام آباد گھمانے کا کہہ رہا تھا تو میں نے اسے اپنا روم نمبر دے دیا''

''لیکن۔۔۔'' ویرا نے لب کھولنا چاہے مگر شیزا نے خاموش کرا دیئے

''تمھیں اپنا اعتماد واپس بحال کرنا ہوگا ویرا، اپنے اندر کے خوف پر قابو پانا ہوگا، جاؤ میری جان'' شیزا نے اسکے ماتھے پر بوسہ دیا

''صرف میں؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا

''مجھے تم پر اعتماد تھا، اور ہے، میں کچھ اور نہیں جانتی۔بس'' یہ کہتے ہوئے شیزا بیڈ پر یکدم سے دراز ہوگئی

''باجی مجھ سے تنہا نہیں جانے ہوگا''

''تیار ہو جاؤ ورنہ وہ دوبارہ ٹپک پڑے گا'' شیزا نے تکیہ منہ پر رکھ لیا

شیزا نے ہمیشہ اسے خود اعتمادی کا درس دیا تھا اور اب بھی وہ یہی دیکھنا چاہ رہی تھی کہ اس میں وہ خود اعتمادی باقی ہے کہ نہیں۔

ویرا تیار ہو کر نیچے لابی میں چلی گئی!

ماجد کا تعلق اسلام آباد سے ہی تھا اور وہ بخوبی اسلام آباد کی تمام جگہوں سے واقف تھا اسے معلوم تھا کہ کن راستوں پر گاڑی سے اتر کر اونچے اونچے درختوں تلے پیدل چلنے میں لطف آتا ہے اور وہ کون سے view points ہیں جہاں کافی پینے سے اس کا ذائقہ مدتوں زبان پر مہکتا رہے گا۔اسلام آباد کا موسم بڑا رومانوی تھا۔ہوا کے جھونکے پھولوں کے بدن سے ٹکرا کر پانی کے چھینٹوں کی طرح چہروں کو تر و تازہ رکھے ہوئے تھے۔۔دور پہاڑ کے

دامن میں شام اپنا سرخ آنچل سمیٹنے میں مصروف تھی۔ ماجد کے مقناطیسی رویئے اور اسکی سحر انگیز باتوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اسے یہ احساس دلایا کہ اسکی باقی ماندہ شخصیت کے سامنے اسکی محرومی بہت چھوٹی اور بے معنی ہے۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ سوال نہایت ہی تھکا ہوا ہے لیکن پتہ نہیں کیوں آپ سے کرنے کو جی چاہ رہا ہے'' ہوٹل واپسی پر ماجد نے اسکی ذات میں داخل ہونے کے لیئے درِ دل پر پہلی دستک دی

ویرا نے ابروؤں کو اٹھاتے ہوئے کہا ''سوال کیا ہے؟''

''کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے؟''

ویرا نے کچھ سوچتے ہوئے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا

اس کے بعد گاڑی دیر تک چپ چاپ سڑک پر رینگتی رہی

''تم عموماً lip reading ہی کرتی ہو یا پھر اشارے بھی سمجھ لیتی ہو'' ماجد نے موضوع بدلتے ہوئے اچانک ''آپ'' سے ''تم'' پر چھلانگ لگائی

''مجھے lip reading آسان لگتی ہے''

''O,Really'' اس نے یوں بناوٹ سے اپنے ہونٹ ہلائے کہ ویرا کو ہنسی آ گئی۔ اس نے اپنی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اسکی ہنسی کو باندھ کر اسے ہوٹل ڈراپ کر دیا۔

ساری رات ویرا کو درِ دل پر ہونے والی پہلی دستک سنائی دیتی رہی!

اُس سے اگلی شام پھر اس سے اگلی شام ماجد ویرا کو کسی ماہر گائیڈ کی طرح اسلام آباد گھماتا رہا۔ دونوں کے قدموں کی آہٹ سے سوئے رستے بیدار ہوتے چلے گئے، ان گنت قہقہے سرسبز درختوں نے سُنے، خاموشی کے وقفوں میں نگاہوں نے حسین مناظر کا طواف کیا، ویرا اسکے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ کو پلکوں کی نوک سے بُنتی رہی اور

اسکی آنکھوں میں شاموں کے ڈھل جانے کا افسوس دیکھتی رہی۔۔۔

کانفرنس کا چوتھا روز تھا۔

صبح گیارہ بجے ویرا کی آنکھ کھلی تو اسے یاد آیا کہ گزشتہ شام اسے ماجد نے صبح دس بجے اپنے ساتھ coffee پینے کی دعوت دی تھی، وہ جلدی سے تیار ہو کر نیچے لابی میں پہنچی تو ماجد نے اسے دیکھتے ہی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ''دس منٹ بعد بارہ بج جائیں گے، گھڑی میں بھی اور میرے بھی'' ویرا ہونٹوں کی جنبش سے sorry کہتے ہوئے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی ''رات باجی سے کہا بھی تھا کہ صبح اپنے ساتھ ہی جگا دینا لیکن شاید بھول گئیں''

''خیر، باجی سے بھی نبٹ لیں گے'' ماجد نے ویٹر کو اشارہ کر کے پاس بلایا اور coffee آرڈر کی

ویرا نے بالوں کو کان کے پیچھے سمیٹا تو ماجد نے بہت دیر سوچنے کو بعد اسے مخاطب کیا ''تم بالوں کو اس انداز میں کیوں نہیں بناتی کہ تمھیں بار بار انہیں کان سے پیچھے ہٹانے کی زحمت نہ کرنی پڑے''

''کیونکہ میں صرف قوتِ سماعت سے محروم نہیں ہوں'' اسکا لہجہ یکدم سخت ہو گیا ''بلکہ قوتِ سماعت سے محروم ایک لڑکی بھی ہوں''

ماجد نے محسوس کیا کہ وہ اداس ہو گئی ہے

''تم کیوں خود کو اس معمولی سی محرومی کے حوالے کر رہی ہو، بھول جاؤ کہ تمھارے ساتھ یہ محرومی ہے''

''میں بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھی نہیں بھول سکتی جس طرح کسی کالم نگار کو اسکے اردگرد کا ماحول قلم اٹھا کر کڑوے حقائق لکھنے پر مجبور کرتا ہے اسی طرح میرے آس پاس موجود لوگوں کی نگاھیں اور انکے ترس آمیز رویے مجھے اس محرومی کا احساس دلاتے رہتے

ہیں" ویرا کا دل اب سچ مچ اداس ہونے کو چاہ رہا تھا

اچانک ماجد نے گنگنانا شروع کر دیا "وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا۔۔۔"

ویرا کو اسکی یہ حرکت بہت عجیب معلوم ہوئی

یونہی آہستہ سے گنگناتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے دو سفید لفافے نکال کر اسکے سامنے رکھ دیئے

ویرا نے لفافے میں سے کارڈ نکال کر اس پر نگاہ دوڑائی "یہ تو۔ فریدہ خانم جی کے ساتھ ایک شامِ غزل کا انٹری پاس ہے"

"جی، آج شام تیار رہنا اس شامِ غزل کا انعقاد قریب ہی ایک ہوٹل میں ہے"

ویرا کو ایسا لگا جیسے ماجد نے اسکی محرومی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہو

"ماجد تم جانتے ہو کہ میں۔۔۔"

"میرے ساتھ کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا پلیز" اس کی آنکھوں میں ویرا کو اپنائیت کی چمک نظر آئی "تمھیں اپنی اس محرومی کو یکسر نظر انداز کر کے جانا ہی پڑے گا"

ویرا ذرا دیر کارڈ پر نظریں جمائے بیٹھی رہی اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئی "اس کے لیئے مجھے باجی سے اجازت لینا ہوگی"

اس نے کوئی احتجاج نہ کیا بس خاموشی سے میری آنکھوں کی کھڑکیوں پر اپنی لرزتی پلکوں سے دستک دیتا رہا۔۔۔۔ دوسری دستک!

ماجد باجی سے پہلے ہی اجازت لے چکا تھا۔

شام کو دونوں ہوٹل سے نکلے تو ویرا نے راستے میں ماجد کو قدرے سنجیدگی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں تین چار غزلیں سننے کے بعد جلد ہوٹل واپس آنا چاہوں گی"

"وہ کیوں؟" اس نے چونک کر اسکی طرف دیکھا

''بس مجھے یوں رات دیر تک بیٹھنا اچھا نہیں لگے گا''

''باجی نے ایسا کرنے کو کہا ہے؟''

''نہیں۔جس طرح کچھ فیصلوں کے لیئے ہمیں اپنے پیاروں کی اجازت مطلوب ہوتی ہے اسی طرح کچھ فیصلوں کے لیئے ہمارے پیارے ہماری طرف بھی دیکھتے ہیں''

وہ سنجیدگی سے سر ہلا کر خاموش ہو گیا

''مسکرا کر میری بات کا جواب دو، پلیز'' ویرا کو شام کے برباد ہونے کا اندیشہ تھا

''آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی'' ماجد نے ادھار پر مانگی ہوئی مسکراہٹ سے اسکی طرف دیکھا ''ہم جلد واپس آجائیں گے''

گاڑی میں خاموشی چھا گئی!

☆☆☆

پروگرام ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ہال میں پہنچ کر ماجد نے ویرا کو اگلی نشستوں کی جانب جانے سے روک دیا حلانکہ وہ تقریباً خالی تھیں۔اس نے وجہ پوچھی تو ماجد نے اسپیکرز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہاں پیچھے اسپیکرز کے قریب بیٹھ کر تم باآسانی فریدہ جی کی آواز سے محظوظ ہو سکتی ہو''

''لیکن میں فریدہ جی کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں'' اس نے معصومیت سے کہا

''وہ یہاں اپنی آواز کا جادو جگانے آرہی ہیں۔یہ کوئی فیشن شو نہیں ہے'' ماجد نے گھور کر اسکی طرف دیکھا تو وہ چپ چاپ وہیں بیٹھ گئی

آہستہ آہستہ ہال میں رش بڑھتا جا رہا تھا

ویرا بار بار گھڑی دیکھتے ہوئے ماجد سے ایک ہی سوال کیئے جا رہی تھی ''یہ فریدہ جی کہاں رہ گئیں'' اور ماجد آرام سے کرسی پر پشت ٹکائے بیٹھا اسکی بے چینی سے گویا لطف

اندوز ہورہا تھا

کافی دیر بعد فریدہ جی اسٹیج پر تشریف لائیں اور پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا ویرا کے کان کے پردوں پر ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو کر ختم ہو گیا۔اسکے دائیں جانب ذرا فاصلے پر ایک بڑا سا اسپیکر نصب تھا کچھ توقف کے بعد اس میں سے فریدہ جی کی مدھر آواز اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ برآمد ہوئی

''میں نے پیروں میں پائل تو باندھے نہیں۔۔'' گیت کے آغاز کے ساتھ ہی ماجد کا ہاتھ تھرکنا شروع ہو گیا

''یہ میری وجہ سے یہاں پیچھے بیٹھا ہوا ہے تا کہ مجھے آواز صاف سنائی دے'' ویرا کا دھیان گیت سے ہٹ کر احساس میں ڈوب گیا'' اور میں نے اسکے ساتھ کیا کیا کہ یہاں آنے سے پہلے ہی واپس جانے کی رٹ لگا دی۔خود غرض'' اس کے اندر سے چیخ ابھری۔

''دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے''

گیت کے بعد غزل کا آغاز ہوا تو ماجد نے اچانک اپنے ہونٹ اسکے بائیں کان کے قریب لا کر کہا'' یہ فیض صاحب کی مشہور غزل ہے''

اسکی سرگوشی سے ویرا کو یوں محسوس ہوا جیسے ابھی اسکا آلہ ءسماعت پگھل کر کان سے بہنا شروع کر دے گا۔ماجد پہلی مرتبہ اسکے اتنے قریب ہوا تھا۔۔

اس غزل کے بعد ایک اور غزل کا آغاز ہوا اور ویرا کی توجہ اپنے بائیں کان پر مرکوز ہو گئی ۔ماجد نے دوبارہ سرگوشی کر کے اسے غزل کے شاعر کے بارے میں بتایا۔آلہ ءسماعت کا درجہ حرارت اور بڑھ گیا اور اسی طرح ہر غزل کے آغاز پر حرارت بتدریج بڑھتی چلی گئی اور جب درجہ ء حرارت نقطہ ءاشتعال کی آخری حد کو چھونے لگا تو ویرا نے اسے ہوٹل واپس چلنے کو کہہ دیا۔

''تھوڑی دیر اور رک جاؤ'' ماجد نے درخواست کی

لیکن ویرا جانتی تھی کہ اگر وہ ذرا اور رکی تو راکھ بن کر اسکے قدموں میں بکھر جائیگی۔

''آج جانے کی ضد نہ کرو۔۔۔'' فریدہ جی نے شاید ماجد کے دل کی صدا سن لی تھی لیکن ویرا اٹھ کر ہال سے باہر چلی گئی۔ اس کے باوجود کہ ویرا نے اسے پروگرام میں آنے سے پہلے ہی جلد واپس لوٹ آنے کا عندیہ دے دیا تھا لیکن اس وقت اسے سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔ یا شاید پھر وجہ کچھ اور تھی جسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرنا چاہ رہی تھی۔

دونوں واپس ہوٹل پہنچے تو گاڑی سے اترتے سمے ویرا نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ ماجد کے ہاتھ پر رکھ کر sorry کہا تو اس نے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ویرا بنا کسی مزاحمت کے نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔ دونوں پر خاموشی طاری تھی اس سے پہلے کہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ویرا گاڑی سے نیچے اتر کر تیز تیز قدموں سے ہوٹل میں داخل ہوگئی۔

تیسری دستک نے اسے سر سے پاؤں تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا!!

وہ رات دیر تک سوچتی رہی کہ اگر تیسری دستک پر بھی اس نے دل کا دروازہ نہیں کھولا تو کہیں دستک دینے والا ناراض ہو کر واپس ہی نہ لوٹ جائے۔

کانفرنس کا پانچواں اور آخری روز تھا!!

صبح دس بجے ویرا جلدی سے تیار ہو کر نیچے لابی میں گئی لیکن یہاں وہاں کہیں بھی ماجد موجود نہ تھا۔ وہ coffee hall میں اسکا انتظار کرنے لگی ''ناراض ہوگا شاید۔۔نہیں۔۔یا آج کانفرنس کا آخری دن شاید مصروف ہوگا۔۔مجھے کانفرنس ہال میں جا کر اسے دیکھنا چاہیئے۔نہیں۔۔شاید آج میں جلدی آگئی ہوں۔۔ہاں یہی بات ہو سکتی ہے۔۔شاید۔۔'' اسکا ذہن اسے طرح طرح کے خیالات میں الجھائے ہوئے تھا۔

''صبح بخیر'' ماجد ایک سرخ گلاب ہاتھ میں لیئے اسکے سامنے ادب سے کھڑا تھا''

'' forprincess vera

''thankyou prince charming'' وہ بالکل اپنے اردگرد کی پروا نہ کرتے ہوئے مسکرائی اور گلاب اسکے ہاتھ سے لے کر خوشبو کا ایک گھونٹ اپنی سانسوں میں اتارا ''کتنی پیاری خوشبو ہے''

''سچ مچ بہت پیاری ہے'' ماجد نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بالکل اسکے مقابل کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پر رکھ دیا

ویرا کے دل پر یہی ہاتھ تو دستکیں دے رہا تھا۔ایک لڑکی کو کسی مقام پر آکر ایسے ہی ہاتھ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جسے تھام کر وہ تمام زندگی گزار سکے۔وہ بہت دھیرے سے اپنی انگلیوں کو اسکی کانپتی انگلیوں میں ہم آغوش کرنے لگا۔ویرا کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ تھی۔اسکی نگاہیں اسکی جھکی ہوئی آنکھوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ویرا کے اندر اسکے ضمیر نے سر اٹھایا ''کیا یہ سب غلط نہیں ؟۔گناہ نہیں ؟۔بے وقوفی نہیں ؟۔یہ محبت ہے ؟'' ویرا نے ماجد کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ ہاں یہ محبت ہے۔محبت ہے۔

ویرا کی نگاہ اسکے لبوں پر بیٹھی اس محبت کے اظہار کی منتظر تھی جس کے بعد تمام عمر کی محرومیاں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے الوداع کہہ کر رخصت ہونے والی تھیں۔اپنے اطراف سے یکسر بے خبر اسکی پوری کائنات اسکے خاموش ہونٹوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔جب کافی دیر گزرنے کے بعد بھی اس نے اپنے لب نہ کھولے اور ہاتھوں پر پسینے کی ننھی بوندیں چمکنے لگیں تو وہ اضطرابی کیفیت کو اس سے چھپاتے ہوئے بولی ''کچھ کہو گے نہیں''۔اس نے نفی میں سر کو جنبش دیتے ہوئے لب کھولے ''نہیں ،ابھی نہیں''

اسکا دائیاں ہاتھ ویرا کے بائیں ہاتھ میں تھا اور دونوں آزاد ہاتھوں سے coffee پینے لگے۔

''گزشتہ چار شامیں تم میرے ساتھ گزارتی آئی ہو اور اگر آج کی شام میں تمھارے

ساتھ گزاروں تو تمھیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا'' وہ شاید محبت کے اظہار کی لمبی چوڑی تمہید باندھنا چاہتا تھا اس لیئے ویرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنے والی شام اسے دیدی۔

ویرا خوش تھی

دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں میں گم coffee کی پیالیاں ہاتھوں میں تھامے مسکرا رہے تھے کہ اچانک ویرا کی نگاہ ماجد کے عقب میں دور ٹیبل پر بیٹھے ایک نوجوان جوڑے پر جا ٹھہری، لڑکی کی کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں ثابت کر رہی تھیں کہ جوڑا شادی شدہ تھا

''وہ دیکھو، دونوں جھگڑ رہے ہیں'' ویرا نے ماجد کی توجہ انکی طرف مبذول کروائی

اس نے گردن کو خم دے کر انکی طرف دیکھا ''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ دونوں جھگڑ رہے ہیں جبکہ انکی آواز تو میں بھی نہیں سن پا رہا''

نو بیاہتا لڑکی کے ہونٹ کبھی کھلتے، کبھی سمٹ جاتے، کبھی خاموش ہو جاتے تو کبھی دانتوں تلے کٹنے لگتے جبکہ ساتھ بیٹھے ہوئے اسکے شوہر کا رویہ ایسا تھا کہ جیسے اسے اسکی باتوں کی ذرا پرواہ نہیں۔۔۔اداسی کی ایک لہر تھی جو اس جوڑے اور ویرا کے درمیان سفر کر رہی تھی۔

''کیا اتنی دور بیٹھ کر کسی انجان شخص کے بارے میں کوئی حتمی رائے دی جا سکتی ہے کہ وہ کس دھن میں بیٹھا ہے؟'' شاید اس نے ویرا کے اندر اترتی ہوئی ادسی کی لہر کو محسوس کر لیا تھا۔

''بالکل'' ویرا نے سنجیدگی سے اسکی طرف دیکھا ''کبھی ٹیلی وژن کی آواز بند کر کے اسے دیکھنا تم بھی یہ ہنر آہستہ آہستہ سیکھ جاؤ گے''

''نا بابا نا۔۔۔میں ایسا ہی ٹھیک ہوں'' اس کا قہقہ ویرا کے شیشہء دل پر لکیر کھینچ گیا لیکن اس نے شکایت نہ کی۔

''ضروری نہیں کہ حقیقت وہی ہو جو لازمی ہمیں سنائی اور دکھائی دے'' ویرا نہیں جانتی تھی کہ وہ اس وقت اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی شاید اس نو بیاہتا لڑکی کی اداسی کا اثر طاری

تھا'' اگر کبھی تم بہت دور سے کسے درخت کو گرتے ہوئے دیکھو تو یہ ہرگز مت سمجھنا کہ وہ گرتے سمے درد سے چر چرایا نہیں ہوگا''

شام کو ویرا گنگناتے ہوئے تیار ہونے میں مصروف تھی۔ شیزا بیڈ پر نیم دراز اسے بڑے اطمینان سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''مجھ پر اتنا اندھا اعتماد کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے باجی'' ویرا نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''تم میرا مان ہو میری جان، اگر تم ٹوٹ گئی تو میں بھی ٹوٹ جاؤنگی اور اعتماد کیا نہیں جاتا اعتماد تو کمایا جاتا ہے''

ویرا بالوں میں برش کرتے کرتے ایک دم جا کر شیزا سے لپٹ گئی!

☆☆☆

ماجد نے ایک بے حد خوبصورت view point پر گاڑی روک دی۔ حدِ نگاہ سبزے کا قالین بچھا ہوا تھا۔ بہت کم لوگوں کو اس جگہ کا علم ہونے کی وجہ سے رش بھی کافی کم تھا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اکا دکا گاڑیاں کھڑی تھیں موسم نہایت خوشگوار تھا

ماجد نے پیار سے ویرا کے بالوں کو چھوا اور انہیں اسکے کان کے پیچھے سمیٹ دیا۔ اُسکے لفظ لفظ میں رومانویت بھری ہوئی تھی۔ لیکن اُس نے شام ڈھلنے تک محبت کا اظہار اور وفا کے وعدوں جیسی کوئی بات نہ کی، عمر بھر ساتھ چلنے جیسی کوئی اجازت نہ مانگی، کوئی قسم اسکی انگلی میں نہ پہنائی۔۔۔

''تم اتنی حسین کیوں ہو؟'' اس کی آنکھیں اس سوال کے ساتھ ہی بوجھل ہو گئیں سانسیں بے قابو اور ہاتھ بے حد گرم ہو گئے

اسکی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے بھی ویرا اس وقت کچھ نہ سمجھ پائی اور بیوقوفوں کی طرح اس

سے پوچھنے لگی'' کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو ماجد؟'' اس وقت ہر لڑکی کی مانند اس پر بھی چاہے جانے کی تمنا باقی تمام آرزوؤں پر حاوی تھی

اس نے اسے اپنے قریب کھینچا اور اسکے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ جماتے ہوئے کہا'' بہت زیادہ میری جان'' اسکی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور وہ آہستہ سے اسکے اوپر جھکنے لگا

ویرا نے اسے پیچھے دھکیل دیا

اس پہ جنون سا طاری ہو گیا۔۔ وہ اسے اپنے قریب لانے کی کوشش کرنے لگا

ویرا کا بدن اپنے بچاؤ میں لرزنے لگا'' یہ محبت نہیں ہے۔۔'' اسکے اندر سے کوئی آواز آئی اور وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں چیخی'' stop it..please stop it''

ماجد کی سانس پھولی ہوئی تھی لیکن اسکے باوجود وہ چلایا'' تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟؟؟'' اسکی آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے'' دنیا صرف اس لیئے تمھارے اشاروں پہ ناچتی رہے کہ خدا نے تم کو اپاہج کر دیا ہے''

ویرا کے دل کا دروازہ پوری قوت سے بند ہوا اسکی گونج سے آنسوؤں کے بند ٹوٹ کے رہ گئے۔

وہ بولتا چلا گیا'' تم ساری عمر اپنی محرومی کے عوض لوگوں سے ہمدردیاں سمیٹتی رہو گی لیکن محبت کہیں نہیں ملے گی۔۔ شکر کرو کہ میں نے تمھیں محبت کے قابل سمجھا ورنہ تم چیز کیا ہو!!''

'' یہ محبت ہے؟'' ویرا نے نم آنکھوں سے اسکی طرف دیکھا

'' ہاں! اور یہی میرا محبت کرنے کا انداز ہے میں تمھاری شرائط پر تم سے محبت نہیں کر سکتا'' وہ غصہ میں پاگل ہو رہا تھا

'' میں نے تو کوئی شرط نہیں رکھی ماجد'' آنسو اسکی پلکوں سے رسنے لگے'' عمر بھر تمھارے

ساتھ رہنے کے علاوہ کوئی اور خواب میری آنکھوں نے نہیں دیکھا‘‘

’’جھوٹ کہتی ہو تم۔۔۔بکواس کرتی ہو۔۔۔تم بے انتہا خود غرض لڑکی ہو‘‘ اسکا انداز منہ پر تھوکنے جیسا تھا

وہ اسے بت بنی دیکھ رہی تھی بھیگی آنکھوں سے اسے اس کے ہونٹ بھی صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہے تھے اور شاید اسکی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ وہ ایسے چلاّ کے بات کر رہا تھا کہ ایک لمحہ کے لیئے اسے گمان سا گزرا کہ شاید اسکی ’’سماعت‘‘ واپس آ گئی ہو۔۔۔وہ اپنی سسکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی

وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اچانک اپنی انگلی سے اسکی ٹھوڑی کو اٹھا کر اُنہی پیار بھری ہمدرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا’’ please i need you,i love you so much‘‘ اس کی آواز میں درد کا شائبہ اور آنکھوں میں خمار کی لہر تھی

بہت نازک لمحہ تھا۔ ہاتھ بھر کے فاصلہ پر یقین کی منزل بھی تھی اور رسوائی کی کھائی بھی۔۔۔ایک جوا تھا !

ویرا کے ایک ہاتھ میں اپنی بہن کا دیا ہوا پختہ اعتماد تو دوسرے ہاتھ میں چاہے جانے کا خواب دھرا تھا اور عزت داؤ پر لگی تھی۔۔۔ماجد کی نگاہیں کھیل کے آخری فیصلہ کن پتے کی منتظر تھیں اور بالآخر ویرا نے وہ پتا پھینک دیا!!

☆☆☆

جب وہ واپس لوٹی تو شیزا سو رہی تھی وہ خاموشی سے صوفے پر سمٹ کے بیٹھ گئی

ذرا سی دیر میں ہی اسکی ہچکیوں کی صدا سے شیزا کی آنکھ کُھل گئی وہ جھٹ سے اسکے پاس آئی اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا’’ کیا بات ہے باجی کی جان‘‘ اُس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا

وہ کوئی جواب نہ دے سکی کہ جب ہچکیاں بولتی ہیں تو الفاظ گنگ ہو جاتے ہیں۔۔اسے نہیں معلوم کہ وہ کتنی دیر تک شیزا کے گلے لگ کر روتی رہی اور شیزا کا دل اندیشوں کا مسکن بنا رہا ویرا کے ذہن میں ایک ہی خیال اس کے ساتھ آنسو بہا رہا تھا کہ وہ شیزا کو کیسے بتائے کہ جب معذوری محبت کے آڑے آتی ہے تو دل میں بپا ہونے والی قیامت کا شور سننے کے لیئے قوتِ سماعت کا ہونا بھی لازمی نہیں ہوتا۔۔۔صرف وہی حقیقت نہیں ہوتی جو سنائی یا دکھائی دے۔۔شاخ سے پھول اور سینے میں دل ٹوٹنے کی آواز نہیں آتی لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ خسارہ نہیں ہوا !!

صبح جب اسکی آنکھ کھلی تو شیزا اسکے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی اس نے ویرا کے گال پہ بوسہ دیا لیکن کوئی بات نہیں کی۔۔ویرا بھی خاموشی سے تیار ہونے لگی۔۔سامان پیک پڑا ہوا تھا ۔۔اچانک دروازہ پر دستک ہوئی ''شاید ماجد ہوگا'' شیزا نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھولا تو باہر روم سروس کا آدمی تھا شیزا نے اسے کچھ دیر بعد آنے کو کہا اور واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

ماجد کا نام سن کر ویرا پر اداسی ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہو گئی اس نے شیزا کے قریب جا کر آہستہ سے کہا ''ماجد اب کبھی نہیں آئے گا'' ضبط کے باوجود بھی اسکی آنکھوں میں نم اتر آیا شیزا نے استفہامیہ نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا اسکی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ اس نے ساری رات اسکے سرہانے جاگ کر گزاری تھی۔

''وہ محبت کا آغاز ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ کر کرنا چاہتا تھا'' ویرا کی آواز شدتِ جذبات سے رندھ گئی شیزا کا چہرہ موم کی طرح سفید ہو گیا۔اسکی نگاہیں ماجد کو جاننے میں دھوکہ کھا چکی تھیں۔

''باجی اس نے اپنے ہونٹوں پر محبت کا بہت خوبصورت جال بُن رکھا تھا جس کا ایک تار میری نگاہوں سے بندھا مجھے اپنی اور کھینچتا چلا گیا۔۔میں اسکے ہونٹوں سے محبت کے پُر فریب لفظ چنتی رہی لیکن کل شام میں نے اسکا لہجہ سنا اور اُس تار کو وہیں توڑ کر واپس لوٹ آئی''

شیزا نے یوں اطمینان کا سانس لیا جیسے جسم میں اب جان آئی ہو اس نے ویرا کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

''باجی یہ لوگ کیوں نہیں مانتے کہ ہمارے سینے میں بھی کانچ کا دل ہوتا ہے۔۔ہم لوگ بھی تمام عمر کسی سے نباہ کر سکتے ہیں، محبت کر سکتے ہیں۔۔ہم کیوں ان کی نگاہوں میں فقط ایک معذور جسم ہوتے ہیں۔۔قابلِ نفرت ہوتے ہیں۔۔خود غرض ہوتے ہیں۔۔۔اپاہج ہوتے ہیں۔۔کیوں باجی آخر کیوں!!''

دونوں بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر سسکیوں اور آہوں میں ڈوب گئیں۔

☆☆☆

جب تنہائی سے ہماری روح کا دم گھٹنے لگتا ہے تو ہماری روح فرار کا رستہ ڈھونڈتی ہے۔ایسا رستہ جس پر چلتے ہوئے منزل پر پہنچ کر اسے راحت اور تحفظ کا احساس ہو سکے اور وہ احساس ہماری روحوں کو محبت فراہم کرتی ہے۔جب ایک روح دوسری روح میں مدغم ہو کر اچانک آزاد ہو جاتی ہے تو تنہائی باقی نہیں رہتی۔وجود کی کھڑکی کھلتی ہے اور باہر سے محبت کی سنہری دھوپ اندر داخل ہو کر نیم مردہ خواہشات کو دوبارہ زندہ کر کے ان پہ وجد طاری کر دیتی ہے۔یکا یک چاروں سمت پر نور اجالے پھیل جاتے ہیں اندھیرا باقی نہیں رہتا لیکن بہت کم لوگ اس تجربہ سے گزرتے ہیں ایسا حقیقی محبت کے متلاشی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے بصورت دیگر عام طور پر جنسی خواہش کے نقطۂ عروج پر پہنچ کر ہی نوجوان ایک دوسرے کو ''آئی لو یو'' کہتے ہیں اور خواہش کی تکمیل کے لمحہ بھر بعد ہی ایک دوسرے کے لیئے محبت ، پسندیدگی، چاہت کا خفیف سا احساس بھی محسوس نہیں کرتے۔جنسی خواہشات سے تعمیر کردہ محبت دیرپا نہیں ہوتی۔جونہی ہاتھ سے ہاتھ چھوٹتا ہے محبت بوسیدہ عمارت کی مانند زمین بوس ہو جاتی ہے۔ہوس زدہ محبت کے اسیر ایک لمحہ کے لیئے بھلا دیتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟اپنی

ذات اور مذہب کی راہیں کھو دیتے ہیں، زمان و مکان میں گم ہو جاتے ہیں، اپنے آپ میں نہیں رہتے، بے خود اور خود سر ہو جاتے ہیں، کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں لیکن۔۔محض چند لمحوں کے لیئے۔۔۔کچھ ایسی ہی محبت ماجد کو ویرا سے ہوئی تھی!!

میری دوست میری جان میری دلربا

غفران لڑکھڑاتی ہوئی ٹانگوں پر باپ اور بھائی کا سہارا لیئے ہوئے بمشکل قدم اٹھاتے کمرے میں داخل ہوا ڈاکٹر قدرت علی جو کہ پہلے سے کمرے میں موجود تھا ایک طرف کھڑا ہو کر غفران کی لڑکھڑاتی ٹانگوں کا بغور جائزہ لینے لگا، جب اسے پلنگ پر بٹھا دیا گیا تو ڈاکٹر اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسکے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھ کر گویا ہوا ''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ تم ابھی تک چل پھر رہے ہو، سہارے لے کر ہی سہی لیکن ہمت نہیں ہاری''

غفران نے تو خاموشی سے سر ہلانے پر اکتفا کیا لیکن اس کا بھائی ڈاکٹر سے مخاطب ہوا ''لیکن ڈاکٹر صاحب اتنا عرصہ گزر گیا کوئی بہتری نظر نہیں آ رہی، پہلے یہ دیواروں کی مدد لے کر چل لیتا تھا اس کے بعد ایک شخص کے سہارے کے ساتھ اور اب تو دو اشخاص کا سہارا اسے درکار ہوتا ہے، آخر اسے ہوا کیا ہے، یہ کیا بیماری ہے جو اچانک نمودار ہو کر نہ دواؤں سے ٹھیک ہو رہی ہے اور نہ ہی دعاؤں سے''

اس کا باپ مغموم سا ہو گیا

ڈاکٹر نے تیزی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''خبردار! جو یہاں کسی نے بھی مایوسی کی باتیں کیں، کون اپنی مرضی سے بیمار ہوتا ہے، تمام بیماریاں منجانب خدا ہوتی ہیں اور کیا تم لوگوں کا اس بات پر ایمان نہیں کہ اس روئے زمین پر کوئی ایسی بیماری نہیں

جس کا کوئی علاج نہ ہو، بیماری اتارنے سی پہلے خداوند قدوس اس کا علاج زمین پر اتارتا ہے، بس سمجھ لو کہ بیماری کی مدت یا آزمائش کا عرصہ صرف اور صرف خدا کو معلوم ہے لیکن انسانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے"

"لیکن ابھی بھی ہم سنتے ہیں کہ فلاں بیماری کا علاج نہیں۔۔فلاں کو ڈاکٹروں نے فلاں کو لاعلاج قرار دے دیا۔۔فلاں کو ڈاکٹروں نے تین ماہ کا وقت بتایا ہے، اس کے بعد وہ مر جائے گا۔۔یہ سب کیا ہے ڈاکٹر صاحب"

غفران کا بھائی شاید بحث کے موڈ میں تھا

"درست کہتے ہو تم" ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا "لیکن غلط میں نے بھی نہیں کہا، دراصل یہ بات پتھر پر لکیر جیسی ہے کہ ہر بیماری کا علاج موجود ہے مگر نوع انسانی اس معاملے میں قصوروار ہے کہ وہ تمام بیماریوں کا علاج دریافت کرنے میں ناکام رہی ہے، انسان نے نسل انسانی کی ہلاکت کا سامان تیار کرنے میں جتنی محنت کی ہے اگر اس کی آدھی محنت بھی نوع انسانی کی صحت پر کرتی تو آج اول تو یہ نت نئی بیماریاں جنم ہی نہ لیتیں اور۔۔دوئم کوئی بیماری لاعلاج نہیں ہوتی، ہمارے ملک کی مثال لے لو ہم نے دفاع کا بجٹ کتنا رکھا ہے اور صحت کا کتنا ہے اور پھر صحت میں بھی تحقیقات کے لیے کتنا مختص ہے۔۔یاد رکھو کہ خدائے غفور و رحیم انسانوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے انسان تو خود اپنی ہلاکت کے درپے ہے"

"آپ سو فیصد درست کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب" اس بار غفران کے باپ نے مداخلت کی اور اس مداخلت کا مقصد اس بحث کو انجام دینا تھا

"اب آپ دونوں حضرات کمرے سے باہر تشریف لے جایئے میں ذرا اس بہادر لڑکے سے دو دو ہاتھ کر لوں" ڈاکٹر نے مسکرا کر غفران کی طرف دیکھا

غفران کے لبوں پر بھی بے جان سی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہوگئی۔کمرے میں دونوں کے سوا اور کوئی تیسرا فرد نہ تھا۔غفران اپنے پلنگ پر ٹانگیں لٹکائے ایک گول تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، بائیں جانب پلنگ کے بالکل ساتھ ایک چھوٹی سی الماری ادبی کتابوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، پلنگ کے دائیں طرف کمرے کا دروازہ اور سامنے کی جانب چار گز کے فاصلے پر باہری کھڑکی تھی جو کہ گھر کے برآمدہ میں کھلتی تھی۔کمرہ روشن اور ہوادار تھا۔ڈاکٹر، دوا، بیماری، تسلیاں، پیروں فقیروں کے تعویز، دم یہ سب غفران کی زندگی کا حصہ بن چکے تھے۔۔ڈاکٹر قدرت علی شہر کا مشہور ڈاکٹر تھا اس کا طریقہ علاج عام ڈاکٹرز سے یکسر ہٹ کر تھا، وہ صرف مشکل سے مشکل ترین کیسز اپنے ہاتھ میں لیتا اور مایوس مریضوں کو امید کا انجکشن لگا کر شفایاب کر دیتا۔۔غفران کا کیس بھی انہی میں سے ایک تھا۔۔کوئی کچھ بھی کہے لیکن اسے اپنی بیماری کا سبب معلوم تھا اور شاید یہی بات اب ڈاکٹر قدرت بھانپ چکا تھا!

ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے آہستہ سے اپنا سلیٹی گھنگریالے بالوں والا سر کھجاتے ہوئے غفران کو مخاطب کیا'' دوست میں کافی عرصہ سے تمہارا علاج کر رہا ہوں یا یوں کہہ لو کہ علاج کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہو رہا، کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں''

غفران نے ایک گہرا سانس لیا'' بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب، میں عجیب کوفت اور چڑچڑے پن کا شکار رہتا ہوں سمجھ میں نہیں آتا کیوں یہ سب میرے ساتھ ہو رہا ہے حالانکہ بظاہر گھر کا ماحول اور سب کے رویے بھی میرے ساتھ بالکل ٹھیک ہیں اس کے باوجود آخر کیوں مجھے سکون نہیں مل رہا''

ڈاکٹر گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کچھ توقف کے بعد گویا ہوا'' میں نے جو ورزشیں

بتائیں تھیں باقاعدگی سے کر رہے ہو"

"جی کرتا ہوں لیکن اس سے تھکان ہو جاتی ہے جسم بوجھ سا محسوس ہونے لگتا ہے"

"اچھا"

"لیکن شاید یہ انہی ورزشوں کا نتیجہ ہے کہ میں ابھی تک بے شک سہاروں کی مدد سے ہی لیکن اپنی ٹانگوں پر چل لیتا ہوں وہیل چیئر کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"

"ورزش کرتے رہنا اسے چھوڑنا مت، میں جانتا ہوں کہ تم میں قوت ارادی بہت زیادہ ہے اور اسی قوت کی وجہ سے تم ایک دن ضرور انشاء اللہ شفایاب ہو جاؤ گے"

"جی۔نہیں چھوڑوں گا"

دونوں خاموش ہو گئے

"اچھا، ایک بات بتاؤ" ڈاکٹر نے اپنا چشمہ اتار کر ہاتھ میں تھام لیا

"جی"

"تمہاری اس بیماری کو تقریباً دو سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور مجھے تمہارا علاج کرتے ہوئے تقریباً نو ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے اس دوران دل میں کبھی خودکشی کرنے کا خیال آیا"

غفران کو ڈاکٹر کا سوال بہت عجیب وغریب معلوم ہوا "نہیں تو ،کبھی بھی نہیں، خودکشی تو مایوس لوگ کرتے ہیں۔ میں تو بس یوں ہی کبھی کبھی اس بیماری سے تنگ آ کر خدا سے چند شکوے کر کے خاموش ہو جاتا ہوں اور بعد میں پشیمان ہو کر معافیاں بھی مانگ لیتا ہوں، انسان ہوں نا، اس لیے بعض اوقات شیطان بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے"

"اچھا تو خدا سے کس قسم کے شکوے ہوتے ہیں، ہم بھی تو سنیں"

"why me، میں ہی اس بیماری کے لیے کیوں چنا گیا، دنیا کی اتنی آبادی

میں سے میں ہی کیوں معذور بنا دیا گیا اگر یہ آزمائش ہے تو پھر مجھ پر ہی کیوں، نہ میں کوئی ولی، نہ پیغمبر، نہ نبی، نہ ہی کوئی برگزیدہ بندہ، نہ ہی پارسائی کا دعویدار کوئی زاہد و عابد۔۔ اور اگر یہ سزا ہے تو کیا میں ہی اس دنیا کا سب سے بڑا گناہگار ہوں ؟ کیا باقی تمام لوگ بے گناہ ہیں، پارسا ہیں، نیکوکار ہیں، فرشتہ صفت ہیں؟؟؟ اگر سب خطا کار ہیں تو پھر ساری دنیا میری طرح معذ۔ لیوں نہیں کر دی جاتی۔۔کیوں؟'' غفران قدرے جذباتی سا ہو گیا

''لیکن میری لغت میں تو معذوری کا مطلب Unique life style ہے منفرد طرزِ زندگی، جیسا کہ ہر انسان کا طرزِ زندگی دوسرے سے الگ ہوتا ہے مثلاً کوئی آدمی سائیکل پر دفتر جاتا ہے کوئی موٹر سائیکل پر، کوئی گاڑی پر اور کوئی پیدل۔۔ اسی طرح میں نے بہت سے معذور افراد دیکھے ہیں جو کہ ٹرائی سائیکل، بیساکھیوں یا خودکار وہیل چیئرز پر دفتروں اور دکانوں کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں، تمام لوگ اگر عام کرسی پر بیٹھ کر کمپیوٹر کا کام کرتے ہیں تو فرق اتنا سا ہے کہ معذور فرد وہیل چیئر پر بیٹھ کر کمپیوٹر کو اسی طرح آپریٹ کرتا ہے۔۔ یہ اس کا لائف سٹائل ہے اور اسی طرح روزمرہ زندگی سے ہم سینکڑوں مثالیں دے سکتے ہیں۔۔''

'محتاج لوگوں کے المیے کو آپ اتنی آسانی سے بیان کر کے ان کی تکالیف کو نظر انداز نہیں کر سکتے''

''تکالیف، تمہارے خیال میں معذور افراد ہی کو عطیہ ہوئی ہیں؟ کیا اس آدمی کی تکلیف کا تم اندازہ لگا سکتے ہو جو کئی شوگر ملز کا مالک ہے لیکن خود کو شوگر ہونے کی وجہ سے چینی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا یا وہ لوگ جنہیں خدا نے بے انتہا دولت سے نوازا ہے لیکن اولاد کی نعمت سے محروم کر رکھا ہے یا وہ غریب لوگ جو پیسوں کے حصول کے لیے کبھی

اپنے گردے اور کبھی اپنے بچے بیچ دیتے ہیں، دوست، انسان کی زندگی میں تکالیف آتی جاتی رہتی ہیں، سب کی تکالیف جدا ہوتی ہیں لیکن تکالیف کو صرف معذوری کے ساتھ نتھی کرنا حماقت ہے"

غفران خاموش سا ہو گیا۔

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا" میں نے آج تک تم سے کبھی معذوری پر بحث نہیں کی جانتے ہو کیوں"

"نہیں"

"کیونکہ میں تمہیں معذور نہیں سمجھتا بلکہ کسی معذور کو بھی معذور تصور نہیں کرتا اور اس کی وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں"

"تو پھر آج آپ کو ان سب باتوں کا کیسے خیال آ گیا" غفران نے تیز نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا

"آج۔۔" ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" خیر چھوڑو اچھا یہ بتاؤ ایم۔اے میں تمہاری کونسی ڈویژن آئی تھی"

غفران کو ڈاکٹر کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی

"فرسٹ ڈویژن تھی" غفران کی نگاہیں بدستور ڈاکٹر کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"excelent ویسے یونیورسٹی کا دور شاید اسکول کے دور سے بھی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے، انسان کا maturity level اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کو خوشگوار بنا دے، ناقابل فراموش۔۔ کیوں؟"

"سر جو آپ پوچھنا چاہ رہے ہیں پوچھ کیوں نہیں لیتے" غفران کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا

''جواب دے پاؤ گے''

''یہ تو سوال پر منحصر ہے''

''محبت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے'' ڈاکٹر نے اطمینان سے سوال کیا

غفران چند لمحے خاموش رہا'' میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا، آپ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں''

''زندگی میں محبت کی اہمیت کس قدر ہے، تمہارے خیال میں محبت کتنی طاقت ور ہوتی ہے؟۔۔یقیناً تمہیں میرے سوال بہت عجیب معلوم ہو رہے ہونگے لیکن آج پتہ نہیں کیوں مجھے ایک نوجوان رائیٹر سے کچھ اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں معلوم کرنے کو جی چاہ رہا ہے''

''زندگی میں محبت کی ضرورت سانس لینے جیسی ہے اور محبت کی طاقت یہ ہے کہ اس سے موت بھی چھپتی پھرتی ہے، اسکے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہوں گا، سر''

ڈاکٹر کی آنکھیں آہستہ سے مسکرا دیں ''تمہیں بھی ایسی ہی سانس لینے جیسی محبت کی ضرورت ہے، جو تمہارے اندر زندگی کو زندہ کرے اور اس زندگی میں خوداعتمادی شامل کرے کیونکہ خوداعتمادی کے بنا انسان کبھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اور کبھی کبھی محبت انسان پر اس قدر حاوی ہو جاتی ہے کہ وہ قریب المرگ ہو جاتا ہے''

غفران نے چہرہ جھکا کر آنکھیں بند کرلیں کمرے میں خاموشی چھا گئی

''کیا تم بھی ایسی ہی محبت کا شکار ہو۔۔محبت جو قریب المرگ کر دیتی ہے'' ڈاکٹر نے دھیمی آواز میں کہا

غفران نے کوئی جواب نہ دیا اسکی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

''دوران علاج تم سے میں ایک بہت ضروری بات پوچھنا بھول گیا تھا جو کہ مجھے

تمہارے ایک کزن سے تھوڑی بہت پتہ چلی تو میں نے اپنے آپ کی خوب سرزنش کی''

ایک معنی خیز مسکراہٹ ڈاکٹر کے لبوں پر کھیلنے لگی

غفران نے آنکھیں کھول لیں لیکن خاموش رہا

''ہر انسان اپنا ماضی رکھتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ ماضی کے ساتھ جڑے رہ جاتے ہیں اور کچھ اسے فراموش کر دیتے ہیں، بولو میں ٹھیک کہہ رہا ہوں''

غفران چپ رہا تو ڈاکٹر نے قدرے اونچی آواز میں کہا ''غفران، میں تم سے مخاطب ہوں، جواب دو''

''میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا، آج پتہ نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں'' اس نے سر اٹھا کر بیزاری سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا

''اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم سمجھنا نہیں چاہ رہے''

غفران کی آنکھیں جھک گئیں

''دیکھو دوست، میں تمہارا معالج ہوں، کم از کم تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ ورنہ تمہارا علاج نہ ہو پائے گا''

غفران پہ پھر خاموشی طاری ہو گئی

''اچھا چلو، میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں تم بس مجھے اسکا جواب دیدو'' ڈاکٹر نے کرسی پر اپنی پشت درست کرتے ہوئے کہا

کچھ توقف کے بعد غفران نے اپنے نیم جھکے ہوئے سر کو آہستہ سے اثبات میں ہلایا لیکن اس کے لب چپ تھے

''زمین کون تھی؟''

ڈاکٹر کے سوال سے غفران کو گہری چوٹ لگی

انسان بارش کے پانی سے ہونے والی تباہ کاریوں سے خود کو محفوظ تو رکھ سکتا ہے لیکن بارش کو آسمان سے برسنے سے روک نہیں سکتا اسی طرح انسان اپنے غم کے خلاف تو لڑ سکتا ہے لیکن لوگوں کے تحفظات اور سوالات کو روک نہیں سکتا، ان کی زبانوں پر تالے لگانے سے قاصر ہوتا ہے۔

غفران کے زخمی دل سے نکلنے والے آنسو آہستہ آہستہ اس کی جھکی ہوئی پلکوں سے رسنے لگے۔ ڈاکٹر اس کے ماضی کے ساتھ بندھی ہوئی کسی پرانی رفاقت کی گرہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا، ڈاکٹر کو پہلے تو شک تھا کہ غفران کی اس پراسرار بیماری کا سرا ضرور اس کے ماضی سے کہیں جا ملتا ہے اور اب یوں اسے روتا دیکھ کر اس کا شک کچھ کچھ یقین میں بدل رہا تھا۔

ڈاکٹر اپنی نشست سے اٹھا اور اس کے پاس پلنگ پر بیٹھ کر اسے دلاسا دینے لگا'' زندگی کو جینے کے لیے پرانی رفاقتوں سے رخصت لے لینا ہی بہتر ہوتا ہے، دوست'غفران کے آنسو بہے جا رہے تھے'' لیکن میں اپنے پیشے کے ہاتھوں مجبور ہوں، میرا تمھاری اس رفاقت کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے''

''میں بھی مجبور ہوں'' غفران کی رندھی ہوئی آواز حلق سے ابھری ''میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا''

ڈاکٹر خاموش ہو گیا اور اس کی حالت پر غور کرتے ہوئے کچھ توقف کے بعد بولا'' ٹھیک ہے'' اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا ''میں باہر جا کر تمہارے گھر والوں کو بتا دیتا ہوں کہ تم ساری عمر محتاجی کی زندگی گزارنا چاہتے ہو، اس کی پرواہ کیے بغیر کہ تمہاری حالت کو دیکھ دیکھ کر تم سے پیار کرنے والوں کے دل پر کیا آفت گزرتی ہے''

''آپ میرا علاج کریں، آپ کو میرے ماضی سے کیا واسطہ'' غفران نے بھیگی

آنکھوں سے ڈاکٹر کو دیکھا

"واسطہ ہے اور کیسے نہ ہو کہ جب تم اپنے حال اور مستقبل دونوں کو ماضی کے حوالے کیے بیٹھے ہو"

"آپ صاف کہہ دیجیے کہ آپ میرا علاج جاری نہیں رکھ سکتے اس خوامخواہ کی بحث سے میرا سر چکرا رہا ہے"

"تم جو مرضی آئے کہہ لو، اب میں یہاں سے ہلنے والا نہیں ہوں"

"سر، پلیز۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں خودکشی کرلوں تا کہ آپ سب کی جان چھوٹ جائے"

"تمہیں کون زہر لا کر دے گا اور خود تو تم سہاروں کے بنا ایک قدم نہیں چل سکتے "ڈاکٹر کا تلخ لہجہ زہر کے گھونٹ کیطرح غفران کی سماعت سے نیچے اترا

"سر، آپ خوامخوا میرا دماغ خراب کرنے کی کوشش نہ کریں، میں کوئی بچہ نہیں ہوں جسے آپ جذباتی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں" "میرے لیے تم میرے کلائینٹ ہو اور میں اپنے کلائینٹ کو اپنا دوست سمجھتا ہوں اس بات سے قطع نظر اس کی عمر کتنی ہے"

"مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے میرے گھر والے کافی ہیں"

"تمہارے گھر والے؟ تمہاری محتاجی کے سہارے، بہت خوب"

"ہاں! ہاں! میری معذوری کے سہارے، بس" غفران قریباً چیخ اٹھا لیکن اسے حیرت اس بات کی تھی کہ اس کی بات سن کر گھر میں سے کوئی بھی اسکے کمرے میں خیریت دریافت کرنے نہیں آیا حالانکہ اسکی ماں تو ہلکی سی کھانسی کرنے پر بھی اس کے کمرے میں بھاگی چلی آتی تھی

''لیکن یہ سہارے کب تک تمہارے ساتھ رہیں گے، آخر کب تک؟'' ڈاکٹر نے اطمینان سے اپنی ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے ہوئے استفسار کیا

''جب تک خدا کو منظور ہوا، تب تک اور اس کے بعد جو بھی خدا کا فیصلہ ہوا وہ مجھے منظور ہوگا''

''میں جانتا ہوں بطور رائیٹر تم لفظوں سے کھیلنا خوب جانتے ہو لیکن ۔۔'' ڈاکٹر کچھ کہتے کہتے خاموش ہو کر دوبارہ گویا ہوا ''تم جانتے ہو کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب تم پانی پینے سے ڈرو گے''

غفران نے منہ پھیر لیا لیکن ڈاکٹر بولتا چلا گیا ''تم کھانا کھانے سے گریز کرو گے۔۔۔ کچھ بھی کھانے پینے کا خوف تم میں سرایت کرتا چلا جائے گا۔۔ اسکی وجہ جانتے ہو؟''

غفران نے آہستہ سے اپنا منہ ڈاکٹر کی طرف گھما کر دیکھا

''یہ دنیا بڑی ظالم جگہ ہے دوست، تم جن سہاروں کی بات کر رہے ہو وہ ہمیشہ تمھارے ساتھ نہیں رہیں گے۔ آج تمھیں باپ اور بھائی کے سہارے میسر ہیں لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب یہی لوگ تھک کر تمھارے بستر پر ربڑ کی شیٹ بچھا دیں گے، تم پانی پینے سے ڈرو گے، اپنا من پسند کھانا کھانے سے بھی خوف کھاؤ گے کیونکہ رفع حاجت تمھارے لیئے مسئلہ بن جائے گا، بار بار بیت الخلاء آنے جانے سے بہتر تم یہی سمجھو گے کہ بھوکا رہا جائے کہ تمھاری غلاظتوں کو صاف کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، یہی سہارے تم سے گھن کھا کر تمھارا کام کریں گے، تم خود اپنے آپ سے بیزار ہو جاؤ گے، میرے پاس ایسے کئی مریض آئے اور گئے، میں جانتا ہوں کہ زندگی کتنی تکلیف دہ ہو جاتی ہے،''

غفران نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر سر جھکا لیا

''تمہارے بوڑھے باپ کو اس وقت تمہارے جوان کاندھوں کی ضرورت ہے لیکن وہ اس ضعیف العمری میں بھی تمہارے بیمار جسم کا بوجھ ڈھو رہا ہے اور تم ہو کہ ماضی میں گم اپنے حال کا بوجھ اس پر لادے جا رہے ہو تمہیں اپنی مستقبل کی فکر نہ سہی لیکن تمہارے ماں باپ کی نیندیں بس یہی سوچ سوچ کر ختم ہو چکی ہیں کہ اُن کے بعد تمہارا کیا ہوگا'۔۔کچھ کر نہیں سکتے کم از کم اتنا احساس تو کر سکتے ہو'' ڈاکٹر اسے اموشنل بلیک میل کر رہا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ غفران پڑھا لکھا ہونے کے ساتھ ایک رائیٹر بھی ہے، ان تمام داؤ پیچوں سے واقف ہے۔

غفران کے ہونٹوں پر چپ سی لگ گئی۔ ڈاکٹر نے پاس رکھی ہوئی میز پر پانی کا گلاس اٹھایا اور غفران کو پیش کرتے ہوئے کہا'' یہ پانی پیو اور بالکل سکون میں آ کر میری باتوں پر غور کرو''

غفران نے ایک ہاتھ سے گلاس پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اپنا سر تھام لیا

ڈاکٹر پچھلے نو ماہ سے غفران کے علاج میں مصروف تھا لیکن بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی ڈاکٹر جانتا تھا کہ میڈیکل سائنس نے اس بیماری کو موروثی کہہ کر لا علاج قرار دے رکھا ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اسکا علاج کھوجنے میں جتا ہوا تھا اور آج ایک ہلکی سی امید کی کرن ڈاکٹر کو نظر آئی تھی جسے وہ کسی صورت بجھانے پر آمادہ نہ تھا کچھ دیر بعد جب غفران کے آنسو خشک ہو گئے تو اس نے پانی کے دو گھونٹ حلق میں اتار کر گلاس ڈاکٹر کو تھما دیا

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کچھ مجھے بتاؤں گے وہ تمہاری زبان سے نکل کر میرے سینے میں دفن ہو جائے گا'' ڈاکٹر نے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تا کہ وہ

ماضی کا بوجھ اپنے سینے سے اتار پھینکے، جس کا اسے بے صبری سے انتظار تھا۔

غفران نے گہرا سانس لیا اور سنبھل کر کہا "اگر ایک زخم کرید کر دوسرا زخم بھرنا ہی آپ کا مقصد ہے تو کسی وعدے کی کوئی ضرورت نہیں" "ایک تمہاری آنکھوں کے آنسو خشک ہونے کے ساتھ ہی تمہارے پیاروں کی آنکھوں کو بھی سکون مل جائے گا، اپنی محبت کی نعش سے نگاہیں اٹھاؤ گے تو تمہیں اپنے گھر میں چلتی پھرتی لاشیں نظر آئیں گی جنہیں تمہارے غم نے مار رکھا ہے، کیا محبت صرف ایک فردِ واحد میں سمٹی ہوئی کسی شے کا نام ہے، تم ادب شناس آدمی ہو بھلا تم سے زیادہ محبت کے مفہوم کو کون سمجھے گا"

غفران کا چہرہ ایک بار پھر دھند میں گم ہو گیا اس نے گہرے دکھ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور پھر پلنگ کے ساتھ ایستادہ الماری کے نچلے خانے میں سے کتابوں تلے دبی ہوئی ایک فائل نکالی اور اس فائل میں سے کاغذوں کا ایک باریک سا پلندہ نکال کر ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا

"یہ کیا ہے" ڈاکٹر اس کے ہاتھ سے پلندہ لے کر کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا

"نرمین" غفران کی آواز میں بلا کا درد تھا "یہ میری اور اسکی کہانی ہے، اس کا کوئی کردار فرضی نہیں ہے، کوئی بات من گھڑت نہیں ہے لیک ایک ایک حرف سچ پر مبنی ہے، سراسر حقیقت"

ڈاکٹر نے آہستہ سے سر کو جنبش دی

"ڈاکٹر صاحب، خدا کی قسم مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں آپ سے نرمین کا ذکر اپنی زبان سے کروں مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر میں یہ کہانی بیان کرنے لگوں گا تو بیچ کہانی کے ہی مر جاؤں گا لیکن میں مرنا نہیں چاہتا اس کی وجہ آپ کو اس کہانی کو پڑھ کر معلوم ہو جائے گی ورنہ میرے لیے خودکشی کرنا بہت آسان ہے اور خودکشی کرنے کے لیئے صرف

زہر ہی کارگر نہیں، اسکے لیئے تو تجربے کے لمحات کو تواتر سے یاد کر لینا ہی کافی ہے۔"

"میرا مقصد تمہارا علاج کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، میں ایک پیشہ ور انسان ہوں اور مجھے اپنے پیشے سے جنون کی حد تک محبت ہے اور میں اس محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر معمور ہوں، میں امید کرتا ہوں کہ تم یوں ہی میری مدد کرتے رہو گے تاکہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی اور تمہیں شفایابی نصیب ہو"

غفران نے آرام سے گاؤ تکیے سے پشت لگا کر آنکھیں موند لیں ایک بار پھر اس کی پلکیں جھپکنے لگیں۔غفران کی حالت سے ڈاکٹر کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہے!

☆☆☆☆

ڈاکٹر نے اپنے گھر کے سٹڈی روم میں غفران کی دی ہوئی کہانی کو پڑھنے کا آغاز کیا۔۔

اپریل کے دن تھے۔نہایت ہی دل پھینک قسم کا موسم تھا۔۔نیلگوں آسمان میں سورج کے رس گلے سے نرم دھوپ کی چاشنی ٹپک رہی تھی۔۔نو بجے کا وقت تھا۔میں نے نرمین کو یونیورسٹی لان میں گھنے درخت تلے بیٹھا دیکھا تو یونہی دل میں خیال آیا کہ یہ اپنے اردگرد سے بے خبر گم صُم سی گوری خوبصورت، بڑی بڑی آنکھوں والی ریشمی بالوں، سراپا حسین مجسم لڑکی جسکے پاس وہ سب کچھ تھا جسے آدمی کینوس پر پینٹ کر کے ایک مرتبہ پھر لیونارڈو ڈاونچی بن سکتا ہے، کتنے سکون سے بیٹھی ہوئی ہے۔

ہمارا نیا نیا ایم۔اے ایک ماہ پرانا ہو چکا تھا۔۔کلاس میں لڑکے کم اور لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔۔معلوم نہیں یہ موسم کی شرارت تھی یا کیا فسوں تھا کہ میں نے یہ سوچ کر دور سے نرمین کو عنابی گلابوں کی جھاڑ کے پاس سے گذرتے ہوئے ہاتھ ہلایا کہ اگر اس نے بھی جواباً

ہاتھ ہلایا نوٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب اُٹھتے ہوئے قدموں کو موڑ کر اداس آنکھوں اور مسکراتے لبوں والی مونا لیزا کو انتہائی قریب سے دیکھنے اور بات کرنے کا موقع ہرگز نہیں گنواؤں گا ۔۔زمین نے میرے ہاتھ ہلانے سے پہلے ہی مجھے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے پاس آنے کا اشارہ کر دیا، میں تیز تیز قدم اُٹھاتا اس کے پاس آ پہنچا "شکر ہے تم آگئے" زمین نے اپنی نوٹ بک دھوپ سے بچنے کے لئے سر پر رکھتے ہوئے کہا

مونا لیزا بالکل میرے سامنے بیٹھی تھی۔۔گزشتہ ایک ماہ میں یہ پہلی بار تھی کہ میں نے اُسے اپنے سامنے اتنا قریب سے دیکھا تھا۔ وہ غضب کی خاموش لڑکی تھی۔۔دھیمے دھیمے مسکراتے ہوئے باتیں کرنے والی۔۔اپنی اجلی آنکھوں کو زیادہ تر پلکوں کے پردوں سے ڈھانپ کر رکھنے والی شرموکل قسم کی لڑکی !!

"میں تو روز آتا ہوں" میں نے مذاقاً کہا "آج ایسی کیا خاص بات ہوگئی" زمین نے دھیما سے مسکراتے ہوئے کہا ''تم ہنسو گے تو نہیں ؟۔۔۔اور نہ کسی کو بتاؤ گے''

چونکہ میں نے بہت سی رومانوی فلمیں دیکھ رکھی تھیں اس لئے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ اب یہ کیا کہنے والی ہے ____ "نہیں ہنستا اور نہیں بتاتا کسی کو"

"وعدہ" اس نے میری آنکھوں میں یوں دیکھا جیسے ابھی میری زندگی مانگ لے گی ، میں نے سر ہلاتے ہوئے حلف لینے کے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا "وعدہ۔پکا وعدہ"

"بات یہ ہے کہ ۔۔۔۔"اس نے اِدھر اُدھر آنکھیں گھماتے ہوئے کہا "میں ابھی تھوڑی دیر پہلے کلاس روم میں داخل ہوئی تو دیکھا وہ لال لال آنکھوں والا ہارون تنہا کلاس میں بیٹھا ہوا تھا۔۔او خدایا میں اتنا ڈر گئی اور کلاس روم کے دروازے سے واپس آ کر یہاں بیٹھ گئی میرا ڈرائیور پوچھ پوچھ تھک گیا کہ آخر ہوا کیا ہے لیکن میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔کیا بتاتی "اس نے معصوم انداز میں اپنی پلکیں جھپکیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں

نے ایک زوردار قہقہہ لگایا'' معافی چاہتا ہوں____ لیکن تم نے بات ہی ایسی کی ہے
___لال لال آنکھوں والا ہاروان'' میں اپنے وعدے کے خلاف ہنستا چلا گیا_____ ''تم
نہیں سمجھو گے کہ اُس وقت میری کیا حالت ہوئی تھی'' اُس نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے
کہا_____ ''اوہو، تو تم لائبریری میں دیکھ لیتی شاید باقی ساتھی وہاں بیٹھے ہوں" میں نے
اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا____ "نہیں ہے کوئی کیونکہ ابھی تک پوائنٹ نہیں آئی۔۔
دیکھتے نہیں کہ یونیورسٹی کتنی پھیکی پھیکی اور خاموش دکھائی دے رہی ہے" اس نے مسکراتے
ہوئے کہا_____

"ویسے یہ طلباء طالبات کو لانے لے جانے والی بس کو "پوائنٹ" کیوں کہتے ہیں؟''
اُس نے کچھ دیر سوچا اور پھر اپنے کاندھے اچکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا
"اچھا ایک بات بتاؤ" میں اس خوبصورت موقع کو مزید حسین بنانے کے موڈ میں تھا
لیکن اچانک رنگین پیراہنوں سے بھری ہوئی "یونیورسٹی پوائنٹ" گیٹ کے اندر داخل ہوتی
دکھائی دی جس میں ہماری کلاس کی تمام لڑکیاں آتی جاتی تھیں سوائے زرمین
کے_____ زرمین کا چہرہ یکدم کھل اُٹھا اور میری بات سُنی ان سُنی ہو کر رہ گئی
"چلیں" زرمین نے اپنی نوٹ بک گود میں رکھتے ہوئے کہا
میں نے جان بوجھ کر بنا اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہاں چلو" اور دو قدم آگے چل
دیا____

"پلیز ہیلپ می" عقب سے اسکی نرم آواز سنائی دی،
میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنی وہیل چیئر کے دونوں پہیوں پر ہاتھ رکھے ہوئے میری
طرف دیکھ رہی تھی____ میں اسکی وہیل چیئر کو دھکیلتا ہوا آہستہ آہستہ کلاس روم کی طرف چل
پڑا "برا مت منانا میں یونہی تم سے چہل کر رہا تھا"_____ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی

راہداری میں ہمیں دیگر کلاس فیلوز مل گئے حال احوال کے بعد ہم سب ایک ساتھ کلاس روم کی جانب روانہ ہو گئے۔ شاید میری حرکت نرمین کو بُری لگی تھی۔ شاید اس نے یہ سوچا ہو کہ میں نے اس کی معذوری کا مذاق اُڑانے کی کوشش کی ہے یا شاید۔۔۔ شاید۔۔۔۔ بہت سے خدشات میرے دل میں گھر کر بیٹھے____

"مجھے اس سے معافی مانگنی چاہیئے" پہلے پیریڈ کے دوران میں پیچھے کی رو میں بیٹھ کر اُسے دیکھتا اور یہی سوچتا رہا لیکن سارا دن گزر گیا اور مجھ میں دوبارہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

نرمین ایک معذور لڑکی تھی۔۔ اس کا تعلق معاشرے کے ایک ماڈرن طبقے سے تھا لیکن اس میں ماڈرن لڑکیوں کی طرح ابرو اٹھا کر بات کرنے والی کوئی عادت نہ تھی۔۔ دورانِ لیکچر لڑکے اور لڑکیوں کے مابین ہونے والے سوال و جواب کی تکرار کو سن کے دھیمے دھیمے مسکرانا اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ کھلکھلا کر ہنسنا شاید اُسے آتا ہی نہ تھا۔۔ روز بہ روز نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس کی سمت کھنچتا چلا گیا۔۔ اتنے مکمل حُسن میں معذوری کا ادھورا پن اسکی آنکھوں میں عیاں تھا۔۔ میں اس کے ادھورے وجود کو کھوجنا چاہتا تھا اس کی اداس تصویر میں خوشیوں کے رنگ بھرنے کو جی چاہتا

تھا۔۔ ایسی مسکرا کر فریب دینے والی تصویر کہ جسے دیکھتے ہی انسان کا بلا وجہ اداس ہونے کو جی چاہنے لگے۔۔ فری پیریڈ میں جب تمام کلاس گول دائرہ کی صورت میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو شعر سنانے کا مقابلہ کرتی تو میری اب پر ندا سے وقت کو روک لینے کی دعا ہوتی۔۔۔ کہ اس سمے مونالیزا پیرس کے میوزیم میں نہیں بلکہ پینٹنگ سے نکل کر اپنے تمام رنگوں کے ساتھ میرے سامنے بیٹھی ہوتی!

اداس آنکھوں تلے____ وہی ہونٹ____ وہی مسکراہٹ!

کلاس کی سب سے باتونی لڑکی نرگس تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ نرگس ہی نرمین کی بہترین سہیلی بن گئی۔۔سب کی متفقہ رائے کے مطابق نرگس پورے کلاس کی روح رواں تھی ____لڑکے بیچارے ویسے ہی بہت کم تعداد میں تھے۔اس لئے کلاس میں لڑکیوں کی حکمرانی تھی۔____ ہر روز کی طرح آج کے خوبصورت دن کے آخری فری پیریڈ میں تمام کلاس دائرہ کی صورت میں بیٹھی ایک دوسرے کو شعر اور لطیفے سنانے میں مصروف تھی۔۔میں نرمین کے بالکل سامنے والی نشست پر بیٹھا تھا۔۔ایک دو مرتبہ جب بے ارادہ اُس کی نگاہیں میری نگاہوں سے ٹکرائیں تو میں نے محسوس کیا جیسے وہ نروس ہو گئی تھی۔۔حالانکہ اس سے پہلے بھی میں کئی بار یونہی دائرے میں بیٹھا اُسکی طرف دیکھا کرتا تھا لیکن آج۔۔۔۔۔اچانک نرگس کی آواز نے مجھے خیالات کے بھنور سے باہر کھینچ نکالا۔۔وہ 'محبت' کے عنوان کے تحت لکھی ہوئی اپنی نظم سنانے لگی____ نظم میں کچھ ایسے پوشیدہ جذبات کی تصویر کشی کی گئی تھی جسے سن کر کسی نے بھی داد دینے کی زحمت نہ کی بلکہ لڑکے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے اور لڑکیاں باقاعدہ ایک دوسرے کے کان میں ہنسنے لگی____ "تم سب تو ایسے react

کر رہے ہو جیسے ابھی ابھی میٹرک سے direct فرسٹ ائیر میں آئے ہو" نرگس نے تنک کر کہا____ "یہ ٹھیک ہے کہ ہم M.A سوشل ورک کی کلاس میں بیٹھے ہیں لیکن____" نوید اپنی ہنسی کو بمشکل روکتے ہوئے کچھ کہتے کہتے رکا تو نرگس کے ہاتھ لہراتے ہوئے پوچھا "لیکن کیا؟ بولو بولو"____

"لیکن کنٹرول باجی کنٹرول"

قہقہوں سے کلاس روم گونج اٹھا جس میں نرگس کا اپنا قہقہہ بھی شامل تھا۔۔میں نے اُس دن نرمین کو پہلی مرتبہ منہ کے آگے نوٹ بک رکھ کر باقاعدہ ہنستے ہوئے دیکھا ہنستے ہنستے

اُس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں اور میرا قہقہہ اس کی آنکھوں میں کہیں گم ہو کر رہ گیا ____ بہت دیر تک کلاس کشتِ زعفران بنی رہی اس دوران میں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میری زندگی میں یہ وہیل چیئر پر بیٹھی مونا لیزا شامل نہ ہو سکی تو پھر میری زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو گا ____ مجھے ہر حال میں اس پینٹنگ کو اپنے گھر میں سجا کر در و دیوار کو انمول بنانا ہے ____

زمین کے علاوہ چونکہ تمام لڑکیاں یونیورسٹی پوائنٹ پر ہی آتی جاتی تھیں اس لئے جونہی ایک لڑکی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے چیخی "ہائے پوائنٹ نکلنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں" تو سب لڑکیاں جلدی جلدی زمین کو گلے لگا کر "خدا حافظ" کا نعرہ لگاتے ہوئے، جنگلی بلیوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکراتی کلاس روم سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکلیں ____ کلاس روم کے باہر زمین کا ڈرائیور اسکا منتظر تھا۔ جو روزانہ اُسے کلاس روم سے گاڑی تک لے جاتا لیکن آج میں نے اس کے

ڈرائیور کو گاڑی مرکزی دروازے پر لانے کا کہہ کر خود اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتا ہوا باہر کی جانب چل پڑا ____ اس نے کوئی مزاحمت نہ کی ____ ہم دونوں آرام آرام سے راہداری میں مرکزی دروازے کی طرف گامزن تھے

"میرے پاس آٹومیٹک وہیل چیئر بھی ہے جسے میں خود چلا سکتی ہوں بغیر کسی کو تکلیف دیئے لیکن اسے گاڑی میں رکھنا کافی مشکل ہے اس لئے۔۔۔" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا شاید اسے میرا وہیل چیئر کو دھکیلنا بُرا لگ رہا تھا لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا اور یونہی چلتا رہا جب مرکزی دروازہ سامنے آ گیا تو میں نے اُسے مخاطب کیا "زمین" ____

"جی" اُس نے فوراً جواب دیا۔

میں چند لمحے خاموش ہو گیا تو اُس نے دوبارہ "جی"۔

"مجھے تم سے محبت ہو چکی ہے"___ اُسے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو___ اُس نے کوئی جواب نہ دیا اُس کی گاڑی سامنے کھڑی تھی وہ ڈرائیور کی مدد سے چُپ چاپ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر منتقل ہو گئی جونہی ڈرائیور اُس کی وہیل چیئر کو فولڈ کر کے گاڑی کی ڈکی میں رکھنے کے لئے پچھلی طرف گیا تو وہ میری طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں گویا ہوئی "معذور لوگ محبت کے نہیں بلکہ ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں۔۔اس بات کو کبھی نہ بھولنا" میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا اس نے آہستہ سے "خدا حافظ" کہا اور کچھ اس انداز سے میری طرف دیکھا کہ میں پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا اُس کی گاڑی کب روانہ ہوئی مجھے کچھ ہوش نہ تھا!!

میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے نرمین سے واقعی محبت ہو چکی تھی یا میں فقط اُس کی ذات کو کھوجنے کا تمنائی تھا اُسکی اداسی کو اپنے اندر سمونے کا خبط یا پھر اُسکی رفاقت میں رہ کر اُسے معذوری کا احساس بھلانے میں اُس کی مدد کرنے کا خواہاں!

انسان تو ویسے بھی ازل سے متجسس واقع ہوا ہے اگر انسان میں تجسس کا مادہ نہ ہوتا تو وہ کبھی غاروں کے اندھیروں سے نہ نکل پاتا___ مادی یا روحانی ترقی ہو دونوں ہی انسان کے تجسس سے عبارت ہیں۔۔انسانی دل و دماغ میں خدا کی کھوج ہی خدا کی موجودگی کی دلیل ہے اور انسان کی اپنی ذات سے محبت ہی مادی ترقی کا عروج!!

بہت دنوں تک میری خاموش محبت جس کا صرف نرمین کو علم تھا قبولیت کی چوکھٹ پر کسی سوالی کی طرح بیٹھی رہی۔۔میں جب بھی باقی تمام کلاس فیلوز سے بچ بچا کر اُس کی جھولی میں محبت کا سوال ڈالتا تو وہ زور سے آنکھیں میچتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ہوا میں ذرا سا بلند کر کے "پلیز" کہہ کر وہیں میرے سوال کو جھولی سے اور مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیتی!!

اسکے لبوں پر صرف یہی ایک جواب ہوتا کہ "معذور افراد سے صرف ہمدردی کی جا سکتی ہے محبت نہیں" لیکن میں اس کے جواب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ہر روز اپنی محبت کا

اظہار کرنے لگا یہاں تک کہ ایک دن ہمارا گروپ لان میں بیٹھا چاٹ سموسے کے پیالوں کو خالی کرنے میں مصروف تھا تو میں نے پاس کیاری میں لگا سُرخ گلاب توڑ کر نرمین کو پیش کیا ۔۔اُس نے پھول میرے ہاتھ سے لئے بنا انتہائی غصہ کے عالم میں دیگر کلاس فیلوز کے سامنے مجھے بُری طرح جھاڑ کے رکھ دیا وہ وہیل چیئر پر بیٹھی آگ بگولہ ہو رہی تھی اور میں اُس کے سامنے گلاب کو سینے پر رکھ کر لان میں ... رے سے نیم دراز ہو گیا

"تم آج تک وہیل چیئر پر بیٹھی کسی غریب لڑکی سے محبت کا اظہار کیوں نہ کر پائے غفران عالم خان؟"

تمام کلاس فیلوز کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ حیرانگی سے ہم دونوں کی شکلوں کو دیکھنے لگے

" کہیں تمھاری نظر میرے باپ کی دولت پر تو نہیں ہے؟ یا بنا کام کاج کئے عیاشی کی زندگی گزارنے کا خیال تو دل میں نہیں سمایا ہوا؟"

یہ مونالیزا اندر سے اتنی تلخ بھی ہو سکتی ہے اس کا اندازہ مجھ سمیت کسی کو بھی نہ تھا چند لمحوں کے لئے اُس کے الفاظ نے میرے اندر ایسی دو دھاری تلوار چلائی کہ میرے دل کے کئی ہزار ٹکڑے ہو کر میرے جسم کے در و دیوار سے چپک کر رہ گئے لیکن میں نے ایک گہرا ٹھنڈا سانس لیا اور کوئی جواب نہ دیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کے اندر محرومیوں نے ڈیرہ ڈال رکھا ہے اور کسی محرومیوں میں گرے ہوئے انسان کو باہر نکالنا اتنا آسان عمل نہیں ہے سو وہ شدت جذبات کی رو میں بہتی چلی گئی

"اگر تمھیں اس خیال سے ترس کھانے کو جی چاہ رہا ہے کہ مجھ سے شادی کون کریگا، تو کان کھول کر سُن لو کہ میرے لئے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے اس لئے تمھیں ہیرو بننے کی

کوئی ضرورت نہیں ہے"

نرگس نے اک نگاہ میری طرف دیکھا اور نرمین کو مخاطب کیا "محبت کا اظہار کرنا گناہ تو نہیں ہوتا نرمین ____ please control yourself ____"

"ہاں، بالکل نہیں ہوتا گناہ۔۔ لیکن یکطرفہ محبت۔ محبت نہیں حماقت ہوتی ہے" نرمین نے فٹ سے جواب دیا۔

نرگس خاموش ہو گئی

"محبت، جنس، شادی ____ کیا اس کے علاوہ دنیا میں اور کچھ کہنے، کرنے کو نہیں رہ گیا۔۔ میں گھر سے اس لئے آتی ہوں کہ لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹ سکوں ____ نہیں چاہیئے مجھے ترس کے رویئے اور کسی کی ہمدردیوں میں لپٹی ہوئی محبتوں کی بھیک" اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی بے دردی سے اپنی بات مکمل کی

اُس کے ذلت آمیز رویہ کے باوجود مجھے اُس کی آنکھوں میں نا جانے کیوں بے بسی کا تاثر نمایاں طور پر دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ زبان کے رویئے پر شرمندہ ہونے پر مجبور ہو!

اگلی صبح جب ڈرائیور اس کی وہیل چیئر کو دھکیلتا ہوا کلاس روم کی طرف روانہ تھا تو میں نے اس کے ڈرائیور کے ہاتھوں سے وہیل چیئر تھامتے ہوئے اُسے واپس جانے کو کہا۔۔ نرمین نے یوں مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ "تم بہت ڈھیٹ انسان ہو" لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔۔ میں اُس کی وہیل چیئر کو دھکیلتا ہوا کلاس روم کی بجائے لان کی طرف چل پڑا اُس نے احتجاج کیلئے لب کھولنا چاہے لیکن اپنا سر پکڑ کر خاموشی سے بیٹھی گئی ____ لان میں پہنچ کر میں بالکل اُسکے پاؤں کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اُس نے شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا ____ "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھ پر تمھاری کل کے لیکچر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔۔ تم نے میری محبت کو جو سمجھنا ہے سمجھو"

اُس کی نگاہوں کے شعلوں اور دہک اٹھے لیکن میں اس کی پروا کیے بغیر بولتا چلا گیا
''دوسری بات یہ ہے۔۔ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے''
میں نے کل والا وہی سرخ گلاب اپنی کتاب سے نکال کر زبردستی اسکی نوٹ بک میں رکھ دیا۔۔اُس نے ابرو سکیڑ کر مجھے ایسا کرتا ہوا دیکھا لیکن چُپ رہی____"
تیسری بات یہ کہ میں تم سے شادی سے پہلے اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دونگا کہ زمین احمد بنتِ منیر احمد کی جائیداد میں سے مجھے تادمِ آخر کوئی حصہ نہیں چاہیئے اور نہ ہی میرا اُسکے باپ دادا، پڑدادا کی دولت سے کوئی واسطہ ہے "میں نے اُس کی نگاہوں میں نگاہیں جماتے ہوئے کہا تو آہستہ آہستہ اُسکی نگاہوں میں شعلوں کا منظر خزاں کی اُداسی میں بدلنے لگا لیکن اُس نے فوراً سر کو جھٹکتے ہوئے لب کھولے''چھوڑو ان بچگانہ باتوں کو اور کلاس میں چلو پلیز" ____اُسکی آنکھیں کسی بھی جذبے سے خالی تھیں
''مجھے سچ مچ تم سے محبت ہوگئی ہے زمین____ میرا یقین کرو خدا کے لئے"اُس کی آنکھوں کا خالی پن دیکھ کر نا جانے کیوں میرے اندر کی ساری بے چارگی اُس کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی____''میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں کہ بنا سوچے سمجھے کا کوئی فیصلہ کر کے بعد میں پچھتاتا پھروں۔۔ میں جو کچھ بھی تم سے کہہ رہا ہوں اس میں میرا دل اور دماغ دونوں شامل ہیں'' میں سر جھکائے اُس کے آگے بیٹھا تھا خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا تو اُس نے آہستہ سے میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔۔ میں نے اُس کی طرف نگاہیں اُٹھائیں تو اُس کے گالوں پر آنسو پھسل رہے تھے میں نے اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر عقیدت سے اپنی آنکھوں سے لگا لیا کچھ توقف کے بعد اس نے میرے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ تیزی سے کھینچتے ہوئے کہا"اب کلاس روم چلیں۔ پلیز"
اُس نے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنے اردگرد نظر دوڑائی میں سمجھ گیا کہ اسے یکدم

احساس ہوا ہے کہ کہیں کوئی اسے روتا ہوا دیکھ نہ لے۔۔وہ بھی میرے سامنے ___ ہاتھوں میں ہاتھ لئے ___ ہم کلاس روم کی طرف روانہ تھے آج پہلی مرتبہ مجھے راہداریوں میں آتے جاتے طلباء اور اساتذہ کی نگاہوں میں معنی خیز باتیں پڑھنے کو ملیں ___ عجیب چبھتی ہوئی نظریں۔۔جس کا زرمین کو روزانہ سامنا کرنا پڑتا تھا ___ اُس سے میرے دل میں صرف یہی ایک خیال چیخ رہا تھا کہ کتنا مشکل ہوتا ہے کسی معذور کے ساتھ چلنا ___ لیکن اُس دن میں نے خود کو ایک بات سمجھا دی کہ یہ معاشرہ کوئلہ کا دلال ہے اگر کسی نے اجلی بے داغ پوشاک پہن رکھی ہے تو صرف پوشاک کی پرواہ کرتے ہوئے دور سے گزر جانے میں ہی عافیت ہے ___ اس کے بعد میں زرمین کے ساتھ یوں کلاس روم میں داخل ہوا جیسے کوئی فاتح شہر میں داخل ہوتا ہے ___ فتح کے خمار میں چُور ___ اپنے ارد گرد سے بے نیاز ___ سراپا مغرور!!

اس روز اتفاق سے اس کی گاڑی وقت پر نہ پہنچی۔۔زرمین اور میں لان میں بیٹھے اس کی گاڑی کا انتظار کرنے لگے باتوں باتوں میں اچانک اس نے سوال کیا ”میں کیسے مان لوں کے تمہیں مجھ سے ہمدردی نہیں بلکہ محبت ہے“ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے کونوں سے جھانکنے لگی

”اس کا جواب تو شاید میں نہ دے سکوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں ہمدردی کے مستحق وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی آنکھوں سے بے چارگی جھلکتی ہے۔۔ترس کی متلاشی آنکھیں لیکن تمہاری آنکھوں میں اداسی ہے کوئی تصویر ادھوری سی ہے جس میں محبت کا رنگ بھر کے اسے مکمل کیا جا سکتا ہے“

مسکراہٹ کا گلابی رنگ اس کے ہونٹوں کے کونوں سے نکل کر دائیں بائیں پھیل گیا اس کا چہرہ تازہ کلی کی مانند کھل اٹھا لیکن آنکھوں میں اداسی کا سایہ ہنوز اپنی جگہ برقرار تھا

''اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ سکتا ہوں'' پتہ نہیں کیوں مجھے اس کی معذوری کا سبب جاننے کو جی چاہ رہا تھا

مجھے muscular dystrophy ہے۔۔ یہ پورے جسم کا ایک قسم کا روگ ہے''

اس کا چہرہ کسی قسم کے تاثر سے عاری تھا

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں تمہاری معذوری۔۔ میرا مطلب ہے بیماری۔۔'' مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے معذور کہوں یا بیمار۔۔ کتنے اذیت ناک الفاظ ہیں۔۔ کتنا کٹھن ہے یہ سب ان لوگوں سے پوچھنا جو کسی طور کسی سے کم تر نہیں ہوتے۔۔ خوبصورت ہوتے ہیں۔۔ کتنے بے کار رویئوں کو ہم نے معاشرے میں رواج دے رکھا ہے کہ کچھ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم گالی بک رہے ہوں

''ایسے سوال میں گذشتہ دس برسوں سے لوگوں کے چہروں پر پڑھتی آ رہی ہوں اس لیے مجھے زیادہ دقت نہیں ہوئی اسے تمہارے چہرے پر پڑھتے ہوئے''

میں جانتا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر مجھے یہ باور کروانے کی کوشش کر رہی ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں بلکہ ہمدردی ہوئی ہے لیکن میں نے اس کی کوشش کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''اس کا مطلب ہے دس برس پہلے تم بالکل normal تھی''

''normal ؟؟؟؟ normal تو میں اب بھی ہوں۔۔ کیا تمہیں میں abnormal لگتی ہوں''

''نہیں میرا مطلب ہے۔۔'' میں بری طرح الفاظ کے چناؤ میں الجھ کے رہ گیا

اس نے میری حالت دیکھ کر ایک خوبصورت قہقہہ لگایا اور میں اس کے سامنے ایسی اداکاری کرنے لگا جس سے اسے یقین ہو جائے کہ میں واقعی ہی ایک بدھو ہوں اور کھسیانہ سا ہو رہا ہوں

''دس برس پہلے میں 'غیر معذور' تھی'' گو کہ اس نے میری تصیح کی تھی لیکن اس کے باوجود مجھ پر لفظ 'معذور' ناگوار سا گزرا

''پندرہ سال کی عمر تک میں وہیل چیئر کے نام سے بھی ناواقف تھی اور آج دیکھو وہیل چیئر کے بغیر ادھوری ہوں'' وہ شاید اداس ہونے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی

''کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا''

''نہیں'' وہ یہ کہہ کر کچھ دیر خاموش ہوگئی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تاثرات سے عاری چہرے پر غصے اور نفرت کا ملا جلا رنگ اتر آیا ''یہ میرا وجود جس نے تخلیق کیا ہے۔۔ یہ روگ بھی اسی کا دیا ہوا ہے'' اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی ''میں نہیں جانتی کہ یہ خدا کی طرف سے آزمائش ہے یا سزا۔۔اسکی محبت ہے یا نفرت کہ میں ٹھیک سے اپنے ہاتھ سے اپنے ہی آنسو نہیں پونچھ سکتی''

میں چاہتا تھا کہ آج وہ پہلی اور آخری مرتبہ اپنی معذوری کے سوالات کا جواب مکمل طور پر باہر نکال کر پھینک دے۔۔ میں ہمہ تن گوش تھا لیکن اچانک مجھے اس کا ڈرائیور تقریباً بھاگتا ہوا آتا دکھائی دیا جب وہ

ہمارے قریب پہنچا تو نرمین نے مجھ سے اجازت طلب کی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ میں نے صاف الفاظ میں اجازت دینے سے انکار کر دیا

''یہ کیا بات ہوئی کہ جب تک اپنا مطلب تھا مجھے اپنے ساتھ بٹھائے رکھا اور اب جبکہ گفتگو ہو رہی ہے تو ایک دم چل پڑی تھوڑی سی اور دیر ہوگئی تو کیا قیامت آ جائے گی''

اس نے مجھے 'ڈھیٹ' کے لقب تو پہلے ہی نواز رکھا تھا سو بادل نخواستہ اس نے ڈرائیور سے گاڑی میں انتظار کرنے کو کہا۔۔ ڈرائیور چلا گیا۔۔

میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔

''تو تمہیں ہوا کیا تھا جس کی وجہ سے تم وہیل چیئر پر بیٹھ گئیں'' میں نے وہیں سے بات کا آغاز کیا جہاں سے سلسلہ منقطع ہوا تھا

''یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم لیکن ڈاکٹر اسے موروثی بیماری کہتے ہیں اس میں عضلات آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ایک دن انسان اس بیماری کے ہاتھوں دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔۔۔بے بسی بھی کتنی ظالم ہوتی ہے نا'' پھیکی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنی بات مکمل کی'' ویسے تم خوش نصیب ہو کہ معذوری کے باوجود تمہیں دنیا بھر کی آسائشیں میسر ہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے'' میں جانتا تھا کہ میری اس بات پر وہ مزید کڑوی ہو جائے گی اور وہی ہوا۔۔

وہ مجھے کوئی پرلے درجے کا احمق سمجھتے ہوئے گویا ہوئی'' دس ہزار روپے کے سینڈل خرید کر بے جان پیروں میں پہننے کا کیا فائدہ جب کہ یہ معلوم ہو کہ آپ کے پاؤں وہیل چیئر پر رکھے ہوئے شوپیس کے سوا اور کسی کام کے نہیں۔۔کن آسائشوں کی بات کر رہے ہو ۔۔معذور جسم نہ امیر ہوتے ہیں نہ غریب۔۔معذور جسم صرف معذور جسم ہوتے ہیں۔۔ ایک جیسا روگ۔۔ایک جیسا درد۔۔ایک جیسی اذیتیں''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔نئے ماڈل کی گاڑی میں آنے والی نرمین اور ٹین کی تپتی ہوئی چھت تلے رہنے والی کسی معذور لڑکی کی زندگیوں میں فرق تو بہر حال ہے۔۔کہیں تو شکر کا مقام بھی آتا ہوگا''

''ہاں بالکل آتا ہے۔۔جب ماں کی گرم آغوش میں چھپتی ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس کائنات میں کوئی تو ایسا ٹھکانا موجود ہے جہاں وقت بھی ٹھہر سا جاتا ہے۔۔اصل محبت کا مفہوم سمجھاتی ماں کی خوشبو جب سانسوں میں اترتی ہے تو کتنا سکون ملتا ہے بس انہی چند گھڑیوں میں زندگی پر پیار آتا ہے اس کے علاوہ نئے ماڈل کی کار میں بیٹھی ہوئی نرمین اور

ٹین کے تپتے ہوئے چھت تلے بیٹھی ہوئی کسی بھی معذور لڑکی کے احساسات میں کوئی فرق نہیں۔۔ہم دونوں کا درد مشترک ہے"

کچھ دیر کیلئے میں اس کے چہرے کو تکتا رہا اداسی کے ساتھ اب مجھے اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نمایاں ہوتے ہوئے نظر آئے اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بوجھل ہوتی چلی گئیں اور ہونٹوں پر خشکی کی پتلی سی تہہ چڑھنے لگی بالآخر اس نے ایک بار پھر درخواست کی "پلیز اب مجھے جانے دو صبح سے لے کر اب تک وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے جسم میں درد سا محسوس ہونے لگتا ہے اور پاؤں بھی سوجنے لگتے ہیں"

میں نے اس کے سوجے ہوئے پیروں کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا "نہیں تم نہیں جا سکتیں آج میری خاطر تمہیں ذرا سا درد برداشت کرنا ہی پڑے گا"

وہ بے بس نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی میں اپنی ضد پر اڑا رہا مجھے معلوم تھا کہ میں جسے ذرا سا درد کہہ رہا ہوں وہ یقیناً اس کیلئے بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔۔اذیت کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے

"کبھی تم نے مستقبل کے بارے میں سوچا ہے۔۔میرا مطلب ہے آنے والے وقت کے بارے میں کیسا ہوگا" میں اس انداز سے سوال پوچھ رہا تھا جیسے کہ مجھے رتی بھر احساس نہیں کہ وہ کتنی مجبور ہو کر اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہے

اس نے ذرا سی زبان نکال کر اپنے خشک لبوں پر پھیری اور کچھ توقف کے بعد لب کشا ہوئی "نہیں۔۔میں نہیں سوچتی"

"کیوں نہیں سوچتی۔۔کیا وجہ ہے"

"جب میں اپنے بچپن کے بارے میں سوچتی ہوں تو ہونٹوں کی مسکراہٹ میرا حال مجھ سے چھین لیتی ہے اور جب کبھی مستقبل کا سوچا تو ڈر اندر سمٹ آیا"

''کیسا ڈر''

''بہت سے ڈر'' اس نے ایک گہرا سانس لیا ''یہ معاشرہ جس میں ہم تم سانس لے رہے ہیں انتہائی بے حس معاشرہ ہے یہاں شادی کے لیے کالی لڑکی پر گوری لڑکی کو فوقیت حاصل ہے۔۔ لمبے، درمیانے قد والی لڑکیوں کا مقام چھوٹے قد والی لڑکیوں سے اونچا ہے ۔۔ یہاں لوگ آنکھوں پر نظر کا چشمہ چڑھانے والی لڑکیوں کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے تو وہ لڑکیاں کیسے ان لوگوں کے نشانے سے بچ سکتی ہیں جو میری طرح وہیل چیئر پر یا کسی دوسری معذوری کا شکار ہیں۔۔ مجھے لوگوں

کے رویئوں سے ڈر لگتا ہے۔۔ مجھے اس معاشرے سے گھن آتی ہے''

فضاء میں خاموشی طاری ہوگئی میں نے اس کے لرزتے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیئے'' تمہارے یہ تمام شکوے میری محبت دور کردے گی نرمین ۔۔ مجھ پر یقین کرو''

''یہ شکایتیں بھی مشترکہ ہیں اور یہ اذیتیں بھی'' اس کی آواز بیٹھ گئی'' تم کیا سمجھتے ہو کہ دنیا کی تمام معذور لڑکیوں کو تم جیسے لوگ محبت کے رنگ میں رنگنے کے لیے کہیں نہ کہیں سے ضرور آنکلتے ہونگے'' اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا ''نہیں۔ ایسا نہیں ہوتا اس اذیت کو تم کبھی نہیں جان سکتے۔۔ جب ایک معذور بے بس لڑکی کے سامنے اس کی چھوٹی بہن کی شادی کی بات طے پا رہی ہوتی ہے اور وہ ان سب کے درمیان کرچی کرچی دل کے ساتھ ہونٹوں پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے بیٹھی ہوتی ہے۔۔ کسی کو اس کے ارمان اور خواہشات کا انبار نظر نہیں آتا۔۔ ہاں بس نظر آتا ہے تو فقط ایک معذور جسم''

میرا دل اتنا زور سے دھڑکا جیسے ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا۔۔ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی، چہرہ پر کرب کے آثار نے اس کی ازلی مسکراہٹ کو فنا کر دیا۔۔ میں نے اس کے آنسو پونچھے اور اس کی وہیل چیئر کو بوجھل قدموں کے ساتھ دھکیلتا ہوا گاڑی تک لے گیا

اس نے بوڑھے ڈرائیور کی مدد سے اپنے وجود کو وہیل چیئر سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بمشکل منتقل کیا اور خاموش نم آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں کا پانی پلکوں سے رس رس کر گالوں پر گرتا چلا گیا میں اپنی جگہ پتھر بنا کھڑا تھا۔ گاڑی روانہ ہو گئی اور یکا یک مجھے اپنا وجود وہیل چیئر پر پڑا محسوس ہوا۔ میں وہیں تپتی ہوئی زمین پر بیٹھ گیا۔

دراصل میں اس کے درد تکلیف اور کرب کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتا تھا۔ میں جو کہ ساری عمر اسے خوش رکھنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا اور صرف آدھے گھنٹے میں ہی اسکی آنکھوں میں آنسوؤں کا سبب بن بیٹھا تھا۔ 'کیا میں ساری زندگی اس کے درد کا احساس کرنے کے قابل ہوں؟' اس سوال نے مجھے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اس سوال کا جواب کھوجنے میں ساری رات گزر گئی اور فجر سے پہلے شاید غنودگی کے عالم میں میرے ذہن میں ایک آواز آئی ''محبت تو خود ایک آزمائش ہے تم کہاں محبت کو آزمانے چلے تھے'' اذان کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ آہستہ آہستہ مجھ پر منکشف ہوا کہ مجھے زمین سے شدید ترین محبت ہے اور اب مجھے اس شدت میں ذرا سی کمی لانا ہو گی تاہم یہ ذرا سی کمی بھی ناممکن نظر آئی۔ اب تک میری محبت نے مجھے فائدہ ہی دیا تھا اسی محبت کی بدولت مجھے اس کے قریب ہونے کا شرف حاصل ہوا شدید محبت کیے بغیر اس کا قرب حاصل کرنا کیسے ممکن تھا؟ میرا پُر جوش اندازِ محبت ہی میرے دل کو مطمئن کرتا لیکن اب کسی نہ کسی طرح خود کو تبدیل کرنا ضروری تھا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ میرا جوشِ محبت، میری دیوانگی، زمین کی تکلیف کا موجب بن سکتی ہے۔ اسے مجھ سے بیگانہ کر سکتی ہے اگر میں اپنی طرز محبت میں ترمیم نہ کر سکا تو آنسوؤں اور پچھتاؤں کے سوا دامنِ دل میں کچھ بھی نہ رہے گا

اس دن کے بعد دھیرے دھیرے میری افسردگی ختم ہوتی چلی گئی۔ میں نے محبت میں

جیتنے کی خواہش والا حصہ ترک کر دیا۔۔اسے مار دیا۔۔میں نے اسے زندگی میں صرف جیتنے کی خواہش کے ساتھ مار دیا۔۔اپنے مد مقابل سے ہمیشہ مجھے جیتنے کی خواہش نے بے چین رکھا لیکن نرمین کے ساتھ چلنے میں، میں نے اس خواہش کو محبت کی راہ میں رکاوٹ جانا چنانچہ اسے مرنا ہی تھا۔۔حالات بدل چکے تھے اور نرمین کو کھو دینے کے خوف سے میں تو بالکل ہی بدل چکا تھا اور مجھے اس کا رتی برابر بھی افسوس نہ تھا۔

اس دن کے بعد آہستہ آہستہ ہم دونوں کے بیچ کا فاصلہ کم ہوتا چلا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی نرمین کی محبت اداسی بن کر مجھ پر چھانے لگی۔۔میں سردیوں کی اس بارش میں بھیگ رہا تھا جس سے بچ کر لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اسی ٹھنڈی بارش کے کسی ایک قطرے میں محبت کا امرت چھپا ہے!!

میں دن میں سو سو بار اس سے محبت کا اظہار کرتا نہ تھکتا لیکن ہر بار وہ اپنی اداس آنکھیں جھکا لیتی ہم پہروں ہاتھوں میں ہاتھ لیے باتیں کرتے رہتے۔۔میں اکثر بینچ پر بیٹھ کر اسے اپنے سامنے بٹھا لیتا لیکن مجھے اس وقت عجیب سا سکون ملتا جب میں اس کے منع کرنے کے باوجود اس کی وہیل چیئر کے بالکل سامنے پیروں کے آگے آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا جیسے کوئی پجاری اپنی دیوی کے سامنے عجز و عقیدت سے اس کے چرنوں میں بیٹھ کر دنیا و مافیا سے ناطہ توڑ لیتا ہے۔۔جب کبھی اس کی باتوں پر اداسی کی شام چھانے لگتی تو میں اپنے ہاتھ پر اسکے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اسکے غم کی گہرائی کا اندازہ لگا لیا کرتا۔

☆☆☆

اس دن آسمان پر بادلوں کی ٹکڑیاں سورج کے سامنے سے گزر کر دھوپ چھاؤں کا کھیل رچائے ہوئے تھیں۔۔شہر میں ٹرانسپورٹرز کی ہڑتال کی وجہ سے طلبہ کی کثیر تعداد یونیورسٹی نہ آ سکی تھی اس لیے کلاسز خالی تھیں۔۔میں اور نرمین لان میں بیٹھے خوشگوار موسم کو

اپنے اوپر طاری کیے ایک دوسرے کو لطیفے سناتے چلے گئے۔۔ مونا لیزا کی مکمل دلفریب مسکراہٹ اور ہلکے ہلکے قہقہوں کی جل ترنگ سے موسم اور بھی دلکش ہو چکا تھا۔ کافی دیر بعد جب لطیفے ختم ہو گئے تو دھیرے دھیرے خاموشی کے طویل ہوتے ہوئے وقفے پر اداسی کا رنگ کہیں سے آ کر حملہ آور ہو گیا۔۔ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی لیکن میں نے اپنے ہاتھ پر اچانک اس کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سچ مچ اندر سے اداس تھی

''جانتے ہو جب انسان اندر سے ویران ہو تو ہلکی سی ہنسی بھی گونج کر قہقہہ بن جاتی ہے ایک بے معنی۔۔ ڈراؤنا۔۔ دل دہلا دینے والا قہقہہ'' اسکی مسکراہٹ مدھم ہو گئی ''لوگ بھی جنموں کے اندھے ہیں۔۔ چہروں پر سجی مصنوعی مسکراہٹوں سے فریب کھا جاتے ہیں کاش! انہیں غم شناس نگاہیں عطا ہو جائیں''

میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کوئی کڑوی حقیقت بیان کرنا چاہتی ہے جسکی کڑواہٹ نے اسے ہنسی کے میٹھے ذائقے سے اچانک محروم کر دیا تھا اس نے بے خیالی سے میری طرف دیکھا ''میں نے آج تک تمہیں اپنے کتنے غم بتائے۔۔ کیا تم پر کبھی کوئی غم کوئی دکھ نہیں گزرا جسے تم مجھ سے بانٹ سکو''

''ہاں۔ غم تو بہت گزرے ہیں لیکن کوئی کمبخت مستقل ٹھہرا ہی نہیں'' میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا

''بہت خوش نصیب ہو۔۔ بہت بہت خوش نصیب ہو''

''ہاں، اپنے ہاتھوں میں تمہارے ہاتھ دیکھ کر مجھے ماننا پڑے گا کہ میں واقعی بہت خوش نصیب ہوں'' میں نے اس پر چھائی ہوئی اداسی کی شام کو اس رومانوی دن میں واپس کھینچ کر لانے کی کوشش بھی کر دیکھی لیکن بری طرح ناکام رہا

''تم کتنے اچھے ہو جو میری فضول دکھی باتیں چپ چاپ سنتے رہتے ہو''

ہم دونوں کچھ لمحوں کیلئے خاموش ہو گئے

بلوچستان یونیورسٹی کے بیچوں بیچ سے ریلوے لائن گزرتی ہے۔۔ دور سے ریل گاڑی کی سیٹی کی آواز فضاء میں بلند ہوئی اس کی نگاہیں فوراً اس جانب اٹھ گئیں جہاں سے آواز ابھری تھی۔ میری نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں میں اس درد کا منتظر تھا جو اس کے لبوں پر بس آنا ہی چاہتا تھا۔ جوں جوں ریل گاڑی سیٹی بجاتی قریب آ رہی تھی اس کے ہاتھوں کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا پسینہ میرے ہاتھوں کو نم آلود کر چکا تھا اداسی اتنی گہری محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ آنکھوں سے نہیں بلکہ ہاتھوں سے رو رہی ہو

''تمہیں ایک بات بتاؤں'' اس کی آواز میں لرزش تھی

میرا انتظار ختم ہو گیا اچانک جونہی ریل گاڑی یونیورسٹی میں داخل ہوئی تو اس نے زور سے اپنی آنکھیں بھینچ کر سر جھولی میں ڈال دیا میں نے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو اپنی انگلیوں میں مضبوطی سے پھنسا لیا جب تک فضاء سے ریل گاڑی کی گڑگڑاہٹ کا شور مکمل طور پر ختم نہ ہو گیا اس وقت تک اس نے اپنی جھولی سے سر نہ اٹھایا۔۔

دھیرے دھیرے فضاء پر ایک مرتبہ پھر سکوت سا طاری ہونے لگا

''پچھلے سال کی بات ہے کچھ لوگ میری چھوٹی بہن ثانیہ کے رشتے کے سلسلے میں ہماری گھر آئے ہوئے تھے''

اسکی نگاہیں ہوا میں لہراتے ہوئے انجن کے کالے دھوئیں پر تھیں ''ڈرائینگ روم میں سب لوگ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے لیکن صرف اس وقت تک جب تک میں اپنی وہیل چیئر پر رینگتی ہوئی ڈرائینگ روم میں داخل نہیں ہوئی تھی۔۔ مجھے دیکھتے ہی تمام مہمانوں پر جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔۔ سب ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے

لگے" اس کا چہرہ پوری طرح بجھ چکا تھا" یہی تو وہ مقام، وہ لمحے ہوتے ہیں جب لوگوں کے تضحیک آمیز خاموش رویے بھی چیختے ہوئے سنائی دیتے ہیں اور انسان کو اپنے وجود سے نفرت ہونے لگتی ہے"

میں خاموش رہا کہ میرا حلق خشک ہو چکا تھا۔ لیکن وہ بولتی چلی گئی" اس دن شام کو ان لوگوں نے ایک بڑا ہی قیامت خیز عذر پیش کر کے رشتہ کرنے سے معذرت کر لی۔۔ جانتے ہو وہ قیامت خیز عذر کیا تھا" اس نے لرزتی ہوئی پلکیں اٹھا کر مجھے کچھ یوں دیکھا کہ ایک لمحے کے لیے میری سانس رک سی گئی

میں نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا

ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی" انہوں نے کہا کہ آپ لوگ کیا اس بات کی گارنٹی دیتے ہیں کہ شادی کے بعد ثانیہ کے ہاں ہونے والا کوئی بچہ معذور پیدا نہیں ہو گا۔۔ یا آگے چل کر معذور نہیں ہو گا جیسے آپ کی بڑی بیٹی معذور ہوئی ہے"

ایک آنسو میری آنکھ سے گر کر گال پر رینگ گیا لیکن اس کی آنکھیں خشک تھیں

"کہو، قیامت ہے نا۔۔ مٹی کا بنا ہوا انسان گارنٹیاں مانگ رہا ہے۔۔ جس کا اپنی ہی سانسوں پر اختیار نہیں وہ اپنے حال کی فکر چھوڑ کر مستقبل کے غم میں مبتلا ہے" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی

میرے پاس اسے تسلی دینے کیلئے الفاظ کا جم غفیر تھا لیکن میں خود یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ مکمل طور پر اتار کر پھینک دے چنانچہ میں اس کے لب کشا ہونے کا منتظر تھا

وہ دور خلاؤں میں ٹکٹکی باندھے ہوئے گویا ہوئی" لیکن شاید یہ تو میں نے تم سے قیامت صغریٰ کا ذکر کیا ہے۔۔ اصل قیامت تو اس کے بعد آئی تھی" اسکے ہاتھ پاؤں میں ہلکی سی لرزش شروع ہو گئی" اس رات میرے باپ نے میری ماں پر اپنا غصہ نکالا کیونکہ رشتے سے

انکار کرنے والے بہت بڑے زمیندار اور صنعتکار لوگ تھے۔۔میرا باپ اتنا زور سے چیخ رہا تھا کہ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ گھر میں بند دروازوں کو توڑتا ہوا کمروں میں گرتا چلا گیا۔۔ پہلا اعتراض میرے سگے باپ کو اس بات پر تھا کہ میں ڈرائینگ روم میں کیوں آئی تھی جبکہ کسی نے مجھے وہاں نہ آنے کو کہا بھی نہ تھا۔۔ہاں اگر منع کر دیتے تو خدا کی قسم اپنی بہن کی خوشی کیلئے اپنے کمرے تک سے باہر نہ نکلتی''

اس نے قسم کچھ اس ادا سے اٹھائی کہ مجھے گمان سا گزرا کہ خدا ابھی اسی وقت کہیں اس پورے شہر کو تباہ کر کے نہ رکھ دے۔۔ اس کی آواز کا درد۔۔اس کا لہجہ۔۔ اس کی معصومیت۔۔اس کی بے بسی دیکھ کر میری آنکھیں جھک گئیں

''اور سنو، میرا سگا باپ میری ماں سے کہتا ہے کہ میں اپنی معذوری اس کے پیٹ سے لے کر آئی ہوں ۔۔میں بڑی اولاد ہونے کے ناطے اپنے باقی بہن بھائیوں کے لیے رکاوٹ بنتی جا رہی ہوں۔۔ پڑھنے لکھنے کے باوجود مجھ میں اتنی عقل نہیں کہ جہاں مہمان بیٹھے ہوں وہاں وہیل چیئر کو گھسا کر ہمدردیاں بٹورنے نہیں پہنچ آتے۔۔ہاں میرا باپ کہہ رہا تھا کہ مجھے معذوری خدا نے دی ہے اس میں باقی گھر والوں کا کیا قصور ہے۔۔ مجھے شکر کرنا چاہیے کہ میں گھر میں ایک پُر آسائش کمرے میں رہتی ہوں نہ کہ ان معذوروں کی طرح ہوں جو سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں'' اس نے جونہی اپنی آنکھیں بند کیں تو دو آنسو اس کی سیاہ پلکوں سے گر کر میرے ہاتھوں پر ٹپکے ''میری معذوری میں اگر ان کا قصور نہیں تو میرا بھی تو نہیں'' اس کے لرزتے ہاتھ میرے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے'' اس شب قیامت میں، میں بہت روئی تھی۔۔ ثانیہ مجھ سے لپٹی ہوئی تھی وہ مجھ سے لپٹ کر اس لیے رو رہی تھی کہ ابو کے غصے کی وجہ سے شرمندہ تھی اور میرے آنسو اس لیے جاری تھے کہ میں اس کے رشتے کے انکار کی وجہ تھی۔۔ مجھے اپنا آپ اس سے مجرم محسوس ہو رہا تھا۔۔ یہ

بہنوں کا بھی کتنا اٹوٹ بندھن ہوتا ہے نا" ہلکی سی مسکراہٹ اس کی گیلی پلکوں پر نمودار ہو کر غائب ہوگئی۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے ضرور اس کی تسلی کے لیے لب ہلانے چاہیے ورنہ وہ ٹوٹ کر کہیں بکھر ہی نہ جائے لیکن مجھ سے پہلے اس کے لب ایک مرتبہ پھر وا ہوئے "پتہ نہیں کیوں ہم زندگی میں اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام ہوتا نہیں دیکھ سکتے حالانکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہاں مرضی صرف خدا کی چلتی ہے ہم سب تقدیر کے تابع ہیں۔۔ حکم الٰہی کے پابند ہیں۔۔۔ معذوری سے پہلے میری ماں

اکثر مجھے بتایا کرتی تھی کہ میرا باپ شہر کے ایک اونچے تاجر خاندان میں میرا رشتہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔۔ جو باپ شفقت اور محبت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میری فرمائشوں اور ضروریات کا مجھ سے پوچھا کرتا میری معذوری کے بعد اب مجھ پر محض ترس کھا کر میرے سر کو تھپتھپاتے ہوئے گزر جاتا ہے۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے باپ نے میرے علاج میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی مگر جب میرے علاج کی ہر کوشش ناکام ہوتی چلی گئی تو میرا باپ بھی شاید علاج کا خرچ اٹھانے کو اپنا فرض سمجھ کر اس کے بعد میرے معاملے سے یا شاید پھر میری زندگی سے دستبردار ہو گیا"

اب اس کی آنکھوں سے آہستہ آہستہ باقاعدہ آنسو اترنے لگے "صرف اپنے باپ کے ترس آمیز رویئے کی وجہ سے مجھے اپنی ماں بہن بھائیوں کی محبت بھی محبت نہیں بلکہ محض ہمدردی محسوس ہونے لگی حالانکہ میں جانتی ہوں کہ میں غلط ہوں کہ وہ سب مجھ سے بے پناہ محبت ہی کرتے ہیں لیکن مجھ میں شاید محبت کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔۔ شاید میں نے خود ہی محبت کی بہاروں پر سرد رویوں کے موسم کو آواز دے کر بلایا اور قبول کیا ہے۔۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایک مان، ایک آس، ایک امید باقی تھی کہ وہ دن ضرور پلٹ کر آئے

گا جب ایک بار پھر میرا باپ میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنی شفقت اور محبت میری وجود میں اتار کر مجھے اپنے سینے سے لگائے گا لیکن۔۔" آواز اس کے گلے میں اٹک کر رہ گئی اور وہ کچھ توقف کے بعد بولی "لیکن اس شب قیامت میں میرا سارا مان چکنا چور ہو گیا کتنی مختصر تھی میری خوش فہمی کی عمر۔۔ کاش۔ کاش میں نے جس گھڑی یہ آس امید لگائی تھی اسی لمحہ مجھے موت آ جاتی کم از کم میری خواہش کا بھرم ہی رہ جاتا" میں نے اس کے ہینڈ بیگ سے ٹشو پیپر نکال کر اسے دیے تو اس نے بمشکل اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں تک اٹھاتے ہوئے آنسو پونچھے۔

میں بالکل خاموش بیٹھا چپکے چپکے اس کا زہر پی رہا تھا

وہ کچھ دیر آنکھوں پر ٹشو رکھے ہولے ہولے سسکیاں لیتی رہی اور پھر اچانک عجیب و غریب لہجہ میں کہا "ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ مجھے اپنا بہت خیال رکھنا چاہیے۔۔ بہت دیر تک ایک ہی کروٹ لیٹنے کی وجہ سے میرے جسم پر زخم بن سکتے ہیں اور اگر یہ زخم بگڑ گئے تو موت واقع ہو سکتی ہے"

میں ایک لمحہ کے لیے سانس لینا بھول گیا لیکن وہ بغیر میری پرواہ کیے بولتی چلی گئی

"کاش میں تمہیں اپنے جسم پر وہ زخم دکھا سکتی جنہیں میں بخوشی پال رہی ہوں۔۔ میں انہیں زخم نہیں بلکہ اپنا نجات دہندہ سمجھتی ہوں" اس کی آنکھیں یک دم چمکنے لگیں

میرا جسم کانپ اٹھا گویا کہ اس کا زہر میرے پورے وجود میں اپنا اثر کر رہا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے بڑی مشکل سے اپنے خشک حلق کو بولنے پر آمادہ کرتے ہوئے کہا "یہ خودکشی ہے زرین"

یہ سنتے ہی اس کی سانسیں بے قابو ہو گئیں وہ کھانسنے لگی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا میں نے اسے سمجھانے کی غرض سے لب کھولے "خودکشی حرام ہے۔۔ زندگی سے فرار بزدلی ہے"

"میں مانتی ہوں کہ خودکشی حرام ہے" وہ میری بات کاٹتے ہوئے چلائی "ہاں! ہاں!

خودکشی حرام ہے لیکن صرف زندہ لوگوں کیلئے۔۔"

میری رگوں میں خون جم گیا

اسکی آنکھوں میں وحشت اتر آئی "زندگی انکو مبارک جنہیں زندگی کی نعمتیں عطا ہوں لیکن جو لوگ جیتے جی ہی مرجائیں ان پر خودکشی کیسے حرام ہوسکتی ہے۔۔بولو" اسکی آنکھوں کی سرخی سے دل کی جلن کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت ہی عجز کے ساتھ اسے خدا، قرآن اور رسول کے واسطے دیے کہ وہ ایسی باتیں نہ سوچے لیکن وہ کسی اور ہی عالم میں تھی کہ درد خود بخود اس کی زبان پر آتا اور بہتا چلا جا رہا تھا "لوگ سمجھتے ہیں کہ ان اونچے اونچے محل نما بنگلوں میں رہنے والی نسل اپنے والدین کے حد سے زیادہ لاڈ پیار سے بگڑ کر معاشرے میں خرابی پیدا کرتی ہے۔۔باپ کی جائز ناجائز دولت پر عیش کرنے والی اس خود سر ضدی نسل کو کیا خبر کہ غم کیا ہوتا ہے۔۔زمانے والوں کو ہر سال اپنی گاڑیوں کے ماڈلز بدلنے والوں پر ہی خدا مہربان نظر آتا ہے۔۔لیکن ان نادان لوگوں کو کون سمجھائے کہ ان قیمتی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں میری جیسی لڑکی بھی رہتی ہے۔۔دولت کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی لڑکی۔۔لاڈ پیار اور توجہ کی ترسی ہوئی لڑکی۔۔وسیع و عریض کمروں میں سمٹی ہوئی لڑکی۔۔ایک ہی چھت تلے رہتے ہوئے والدین سے کٹی ہوئی لڑکی۔۔ایسی سہمی ہوئی معذور لڑکی جو اپنی جھوٹی شان و شوکت کا لبادہ اوڑھ کر زمانے کو مرغوب کرتی پھرتی ہے لیکن درحقیقت وہ اندر سے بالکل مفلس ہے۔خالی ہے۔قریب المرگ ہے"

میرا جی چاہ رہا تھا کہ بنا کسی کی پرواہ کیے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے جوڑ لوں اور اس کے بدن سے سارا زہر چوس کر باہر [illegible] دوں!!

☆☆☆

اس دن کی گفتگو کے بعد میں کئی راتیں سو نہ سکا۔۔عجیب ساغم میرے اوپر حاوی رہنے لگا جسکی وجہ سے مجھے اپنا جسم کبھی کبھی مفلوج لگنے لگتا۔۔میں گھر میں گھنٹوں کرسی پر بیٹھ کر اپنے توانا بدن میں نرمین کے معذور جسم کو محسوس کرتا رہتا۔۔کبھی اسکی اداس باتوں کو سوچ سوچ کر اپنا خون جلاتا اور کبھی خیالوں میں اسکے ساتھ شادی کر کے مستقبل کے خواب بُننے لگتا۔۔اسکا سہارا بن کر اس کے تمام غموں کو مٹا دینے کے خواب!

☆☆☆☆

ستمبر کے مہینے میں یونیورسٹی کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔سیڑھیوں، کھلے لانوں ،راہداریوں، کینٹینوں اور درختوں تلے ہر جگہ طلبہ و طالبات طوطا مینا کی جوڑیوں کی طرح موجود تھے۔میں اور میرا دوست عفی یونیورسٹی مین گیٹ سے ڈیپارٹمنٹ کی طرف روانہ تھے۔

چلتے چلتے عفی نے ایک اداس لیلیٰ مجنوں کی جوڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا" یہ محبت وحبت کے چکر میں زیادہ تر ہمارے مڈل اور لوور مڈل کلاسیے لونڈے لونڈیاں ہی تم کو گرفتار نظر آئیں گے"

میرے چلتے قدم یک دم رک گئے اور میں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا" کیوں بھئی محبت بھی تم کو کسی خاص طبقے کی میراث نظر آتی ہے۔۔کوئی اونچی ذات نظر آتی ہے۔۔کم از کم محبت کو تو معاف کر دو"

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور میرا بازو و پکڑ کر مجھے دوبارہ چلنے پر آمادہ کرتے ہوئے کہا" حد ہے یار۔۔سکولوں ،کالجوں ،یونیورسٹیوں، ٹیوشن سینٹرز ،لینگویج کمپیوٹر سینٹرز ،پارکوں ،ریسٹورینٹوں جدھر نگاہ ڈالو وہاں ہیریں چوری کھلا رہی ہیں اور رانجھے بانسری بجا رہے ہیں"

میں نے اپنا ہاتھ سر پر مارتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر وہ باقاعدہ ارد گرد اشارہ کرتے ہوئے بولتا چلا

گیا'' اپنے معشوقوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ان لڑکیوں کے چہروں کو ذرا غور سے دیکھنے کی کوشش کرو تمہیں تمام لڑکیوں یا کے چہروں پر جلی حروف میں ''ضرورت رشتہ'' کا اشتہار چھپا ہوا نظر آئے گا''

اب اسکی بات پر میرا بے اختیار قہقہہ لگانے کو جی چاہ رہا تھا لیکن میں نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا

''جبکہ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکوں کی آنکھوں میں دیکھو تمہیں شادی کے جھنجھٹ کے علاوہ باقی سب کچھ نظر آئے گا'' اس نے ایک بار پھر ''سب کچھ'' کہتے ہوئے ایک انتہائی بے ہودہ قسم کا اشارہ کیا

''واہ! کیا بکواس ماری ہے۔۔غلیظ انسان'' میں نے بات مذاق میں اڑاتے ہوئے رفتار تیز کر دی

''او بھائی میاں میں بکواس نہیں کر رہا'' اچانک وہ کسی مرے ہوئے بوڑھے پروفیسر کی روح سے ٹکرا گیا ''ہم مڈل کلاسیے پچھلی نصف صدی سے اشرافیہ کے ظلم وستم کا رونا چلے آ رہے ہیں نا۔۔تو ایک نظر ہمیں اپنے کرتوتوں پر بھی ڈالنی چاہیے۔۔او بھائی درسگاہوں کو ہم لوگوں نے ہی محبت کی مارکیٹس بنا رکھا ہے''

میرے پاس دلیلیں بہت تھیں لیکن چونکہ عفی کا تعلق بھی مڈل کلاس سے تھا اس لیے میں نے اس کی باتوں کی قطعاً پرواہ نہ کی بلکہ محض اسے تنگ کرنے کی غرض سے جواباً کارروائیاں وقفے وقفے سے کرتا رہا ''کل جب ان سب کی شادیاں ہو جائیں گی تو تمہارا یہ سارا فلسفہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا''

اس نے اپنے سر پر مکا مارتے ہوئے کہا ''او۔محبت کو شادی سے مشروط کرنے والے عاشقو، سدھر جاؤ، محبت آزاد ہوتی ہے۔۔یہیں سے تو مڈل کلاسیے مار کھا جاتے ہیں۔۔سنو

بھائی، کاندھے سے کاندھا ملا کر بیٹھنے سے ہوس رگڑ کھاتی ہے اور لاکھ لوک ہوں کی چنگاری سے محبت کا شعلہ نہیں نکلتا''

''تو محبت کے جن کو کیسے قابو کریں سامری صاحب اس پر بھی ذرا روشنی ڈالیں'' مجھے ابھی تک اس کی باتیں اندر سے گدگدا رہی تھیں

''یہ محبت وحبت سب فضول کی بکواس ہے۔۔ جو لوگ تعلیم کے ساتھ مخلص نہیں رہ پائے جسکے ساتھ ان کا اور انکی آنے والی نسلوں کا مستقبل وابستہ ہے تو محبت کیا خاک کریں گے۔۔ سب ٹائم پاس ہے جگر'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے بات جاری رکھی ''بڑے پتے کی بات کہنے لگا ہوں ذرا غور سے سننا'' اس نے دو انگلیوں کے درمیان جکڑی ہوئی سگریٹ میرے سامنے لہراتے ہوئے کہا ''مغرب کے 'سرخی پاؤڈر' ہماری اشرافیہ نے اتنی استعمال نہیں کی ہوگی جتنی آج یہ ہماری مڈل کلاس اور لوور مڈل کلاس کی لڑکیاں اپنے منہ پر تھوپ رہی ہیں اور اندھا دھند تھوپ رہی ہیں۔۔ اور آئینے میں اپنا آپ دیکھ کر خود ہی چیخ مار کر مرتی بھی جا رہی ہیں'' اس نے ایک گہرا کش لیتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

میں اسکی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ 'سرخی پاؤڈر' سے اس کی کیا مراد ہے لیکن میں اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی کوئی رائے دینے یا بحث کے موڈ میں تھا اس لیے میں نے مذاقاً کہا ''بناؤ سنگھار، سرخی پاؤڈر تو لڑکیوں کا پیدائشی حق ہے یار''

''اور وہ لڑکے جو انکے چہروں سے یہ سرخی پاؤڈر صاف کرتے پھر رہے ہیں تو کیا یہ لڑکوں کا پیدائشی حق ہے۔ الو'' اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ساتھ ہی لچر قسم کی آنکھ مار کر مسکرا دیا

''کاش یہ ڈیپارٹمنٹ یونیورسٹی گیٹ سے اتنا دور نہ ہوتا'' میں نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

عفی کسی امیر طالبعلم کی قریب سے گزرتی ہوئی لش پش گاڑی کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بے قابو ہو گیا" بھائی سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ تم مڈل کلاسیے نہ مشرقی ہو نہ مغربی ہو بلکہ بیچ میں لٹکی ہوئی کوئی چمگادڑ نما چیز ہو۔۔ جبکہ ہمارے ایلیٹ طبقے کی نسل کا طرز زندگی مکمل طور پر مغربی ہے۔۔ وہ جسمانی بھوک کو محبت کے ڈھونگ سے مشروط نہیں کرتے۔۔ وہ تو جہاں بھوک لگی منٹوں میں فاسٹ فوڈ کی طرح یہ کھایا۔۔ وہ گیا۔۔ وقت ضائع کرنا ان کے مسلک میں حرام ہے سرکار۔۔ وہ تم لوگوں کی ان پکنک پوائنٹ نما درسگاہوں کی طرف دیکھتے بھی نہیں بلکہ ہاورڈ، آکسفورڈ اور کیمبرج جیسی درسگاہوں سے تم لوگوں کو اپنا غلام رکھنے کا ہنر سیکھ کر آتے ہیں۔۔ انکی توجہ اپنے باپ، دادا کی دولت کو ضرب دینے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسی لیے نصف صدی پہلے کے امراء کا شمار آج بھی امراء میں ہوتا ہے۔ وہی چند خاندان جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک حکمران چلے آ رہے ہیں آج بھی حکمران ہیں۔۔ بھائی میاں یاد رکھو۔۔ دولت سمیٹنے والے ہاتھ اپنے ہاتھوں کو بغیر میلا کیے ہوئے پیسہ کمانے کا گر اپنی آل اولاد کو سکھا کر کفن اوڑھتے ہیں۔۔ سالے آسانی سے جلدی مرتے بھی نہیں" عفی نے پے در پے سگریٹ کے تین کش لیتے ہوئے بات جاری رکھی" جس وقت تم مڈل کلاسیے کیمپس کی سیڑھیوں پر ایک دوسرے کی آنکھوں میں گم محبت کا راگ الاپ رہے ہوتے ہو ٹھیک اسی لمحے یہ ینگ فیوڈل لارڈز کرنسی نوٹوں پر قائداعظم کی جگہ اپنی تصویر چھاپنے کے خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔۔ اونچے عہدوں اور ایوانوں تک پہنچ کر اٹھارہ کروڑ عوام کو اپنے جوتوں تلے رکھنے کا پلان اپنے وسیع و عریض شاندار ڈرائنگ روموں کی میزوں پر پھیلائے سر جوڑ کر بیٹھے ہوتے ہیں"

جونہی ہم ڈیپارٹمنٹ کی طرف مڑے ہی نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے فلٹر پھینک دیا۔۔

میں نے دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔۔ وہ لیکچر پورا کرنے کے موڈ میں تھا لیکن میں اپنے

کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر تقریباً بھاگتے ہوئے کلاس روم میں جا گھسا!!

میں نے جان بوجھ کر اس کی باتوں میں دلچسپی ظاہر نہ کی کیونکہ ان میں مجھے کہیں بھی نرمین دکھائی نہ دی۔۔ اسکا تعلق نہ تو مڈل کلاس سے تھا اور نہ ہی اسکے خوابوں میں کسی اونچے عہدے تک پہنچنے کا خواب شامل تھا۔۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ اپنی کسی بھی خواہش کے پورا نہ ہونے کے خوف سے آزاد رہی تھی لیکن اس کے باوجود محرومیوں نے اسے چاروں اطراف سے گھیر رکھا تھا یقیناً جس دن اس کا جنم ہوا ہوگا اس وقت محبت بانٹنے والے فرشتے نے اس کے گھر میں شادیانے، منہ میں سونے کا چمچ، ارد گرد خاندان والوں کی مسرتوں کا شو، رملازموں میں نقدی اور غریب غرباء میں صدقات تقسیم ہوتے دیکھ کر یقیناً سوچا ہوگا کہ اس بختاور کو محبت کی کیا ضرورت اور اس کے حصے کی محبت کسی چھوٹی سی بستی میں پیدا ہونے والے بچے کو اضافی دے دی ہوگی جسکے باپ کے پاس دائی کو دینے کیلئے سو روپے بھی جیب میں نہ ہونگے۔۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر اونچے طبقے کی نوجوان نسل نچلے طبقے کے لڑکے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اپنے حصے کی محبت پاتے ہیں!!

☆☆☆

اگلے ماہ دو نومبر کو نرمین کی سالگرہ تھی اور میں اسی فکر میں رہتا کہ اسے کیا تحفہ دینا چاہیے۔۔ ایسی کیا چیز ہوسکتی ہے جسے دیکھ کر وہ حقیقی معنوں میں خوش ہو سکے ایسی خوشی جس میں کوئی مصنوعی پن نہ ہو اور اپنی سالگرہ والے دن وہ سچ مچ کھلا ہوا گلاب دکھائی دے۔

اُس دن بھی میں اسی سوچ میں غلطاں نرمین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے سوال کیا "میری سالگرہ پہ تم مجھے کیا تحفہ دو گے"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا کہ اسے کیسے خبر ہوگئی کہ میں اسکی

سالگرہ کے متعلق ہی سوچ رہا ہوں۔

وہ مونا لیزی مسکراہٹ کے ساتھ میری جانب دیکھے جا رہی تھی

''او میرے خدایا تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں اس وقت اسی بارے میں سوچ رہا تھا''

''محبت تو تم نے کر لی ہے اب اسے محسوس کرنا بھی سیکھ لو''

ایسی قاتلانہ مسکراہٹ میں نے پہلے کبھی اسکے چہرے پر نہ دیکھی تھی

''میں نے سوچا ہے کہ اگر میں تمہاری سالگرہ پر تمہیں ایک بہت ہی خوبصورت لباس تحفتاً دوں تو تم وہی لباس اپنی سالگرہ والے دن پہن کر آؤ گی''

''پوچھتے کیوں ہو۔۔پوچھو مت۔۔۔حکم دو۔۔مجھے اچھا لگے گا''

ایسی محبت بھری شکایت میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔آج تو وہ سراپا محبت کی دیوی بنی بیٹھی تھی۔میں نے اپنی نگاہیں اسکے چہرے پر ہونٹوں کی طرح رکھی ہوئی تھی۔فضا میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک اس کی آواز نے ہلچل سی پیدا کر دی ''کیا تم مجھے میری سالگرہ پر میری مرضی کا بھی ایک تحفہ دے سکتے ہو''

''کیوں نہیں۔لیکن جو بھی مانگنا وہ میری اوقات اور حیثیت کو مدنظر رکھ کر۔۔''

اس نے میری طرف گھورتے ہوئے بات کاٹی ''بہت فضول انسان ہو تم'' وہ مسلسل کچھ دیر تک مجھے گھورتی رہی۔۔

بالآخر میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ''اچھا بابا۔معاف کر دو اور بتاؤ کیا کہہ رہی تھی''

اگلے ہی لمحے اس نے گھورنا ترک کر کے آنکھیں جھکا لیں اور اپنے ناخن سے نوٹ بک کا کونا کریدتے ہوئے کچھ توقف کے بعد کہا ''مجھے تم سے ایک وعدہ چاہیے''

میری نظر اس کے نوٹ بک کا کونا کریدتے ہوئے ناخن پر تھی اور اس لمحے مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی اپنے ناخن سے میرے دل کو کریدنے والی ہے

''کیسا وعدہ'' میرے حلق میں اچانک صدیوں کی پیاس اتر آئی۔

اس نے میرے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کو رکھتے ہوئے اداس نظروں سے میری طرف دیکھا ''وعدہ کرو کہ۔۔''

میری آنکھوں میں نمی کے آثار دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی

میں کہ اسکے ہاتھوں کی زبان سے واقف تھا اور جان چکا تھا کہ اسکے دل میں ضرور کوئی اداس وعدہ لبوں پر آنے کو مچل رہا ہے

''مجھ سے وعدہ کرو کہ اگر کبھی میں کہیں کھو گئی تو تم مجھے تلاش نہیں کرو گے۔۔اپنی زندگی کو میری گمشدگی کی بھینٹ چڑھا کر اسے برباد نہیں کرو گے۔۔وعدہ کرو''

میرے پورے وجود کا شہر آن ہی آن میں زلزلے کی نظر ہو کر ملبے کا ڈھیر بن گیا۔۔بے نیاز دکھائی دینے والی محبت درحقیقت کتنی بے بس ہوتی ہے۔۔میں جانتا تھا کہ 'کھو جانے' سے اسکی کیا مراد ہے لیکن میں چپ چاپ اپنے وجود کے ملبے پر آنسو بہاتا رہا۔۔اس نے بڑی مشکل سے اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھا کر میری آنکھوں سے آنسو پونچھنے کی کوشش کی

''وعدہ ہے نا'' اس کی آواز میں لرزش تھی

میں نے کافی دیر تک اسکے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے رکھے ''کہا تھا نا۔کہ جو کچھ بھی مانگنا وہ میری اوقات اور حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مانگنا لیکن تم نے تو۔۔'' میری آنکھیں اور اسکے ہاتھ آنسوؤں میں بھیگتے چلے گئے

''میں وعدہ کرتا ہوں۔۔'' انگار کی صورت دہکتا ہوا وعدہ میں نے اپنی زبان پر رکھ دیا

میری بے بسی کیمپس کی اداس فضا میں کسی غبارے کی مانند اڑتی ہوئی سدا بہار پائن کے درختوں کے ساتھ ٹکرانے لگی۔۔

☆☆☆

اس دن کے بعد زمین بہت کم کم یونیورسٹی آنے لگی۔۔۔ میری اس بات پر اس سے بہت لڑائی رہتی لیکن ہر مرتبہ لڑائی میں فتحیاب اس کی مسکراہٹ ہو جاتی۔۔۔ اس کی سالگرہ میں ابھی دو ہفتے باقی تھے کہ جب میں نے اسے ایک خوبصورت لباس یہ وعدہ یاد دلاتے ہوئے تحفتاً پیش کیا کہ وہ اس لباس میں اپنی سالگرہ والے دن یونیورسٹی میں داخل ہو گی ورنہ میں بھی اس کا دیا ہوا وعدہ توڑ دوں گا۔

''میں اپنی سالگرہ والے دن اگر تم سے ملے بغیر کہیں مر بھی گئی تو تمہیں بعد میں پتہ چل جائے گا کہ میں نے اپنے مرن دن پر بھی لباس زیب تن کیا ہوا تھا'' وہ بہت دیر تک میرے تحفے کو سینے سے لگائے مجھے دیکھتی رہی اسکی آنکھوں میں محبت کے اتنے سارے رنگ تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔۔۔ وہ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی اسکی باتوں میں کڑواہٹ در آئی تھی وہ بظاہر عام سی بات عام سے لہجے میں ہی کرتی لیکن اسکی باتوں پر دل کو کاٹ کر ٹکڑے کر دینے والے کچھ الفاظ ضرور ہوا کرتے تھے۔

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے مجھ پر اس کے عشق کا دبدبہ ہے کیونکہ میں اس سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا لیکن مجھ میں ہمت نہ تھی مثلاً میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس کے علاج کے بارے میں اس سے پوچھوں۔۔۔ یہ بھی پوچھوں کہ ڈاکٹر اب کیا کہتے ہیں۔۔۔ میڈیکل سائنس میں اگر اس بیماری کا علاج نہیں تو کسی حکیم، ہومیو پیتھک، پیر، فقیر سے کبھی رجوع کیا۔۔۔ تم اپنے باپ کے رویے کی سزا خود کو کیوں دے رہی ہو۔۔۔ زمانے کی بے رخی کا بدلہ میری محبت سے کیوں لے رہی ہو۔۔۔ یہ وہ تمام باتیں تھیں جو اسے اداس کر کے اس کے اندر بھرے ہوئے زہر کو باہر کھینچ نکالنے کیلئے کافی تھیں لیکن میں اپنی محبت کے ہاتھوں بے بس و مجبور تھا کہ اس کے نمکین آنسوؤں کے قطرے میرے دل کے زخموں پر گر کر درد کی انتہا کر دیتے!

وہ ایک شاندار لڑکی تھی اندر سے بکھری ہوئی لیکن ظاہری طور پر اپنی شخصیت میں پر

وقار، بے مثال ذہانت و باکمال اخلاق۔۔وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے بھی اس کی قابلیت کا قد اتنا اونچا تھا کہ کلاس میں لیکچررز اس سے بد کتے تھے۔۔وہ اپنے بے پناہ حسن کے ساتھ ظاہری طور پر ایک مکمل زندہ لڑکی تھی

لیکن یہ بات صرف میں اور نرگس جانتے تھے کہ وہ اندر سے مر چکی تھی!

☆☆☆

یکم نومبر والے دن ڈیپارٹمنٹ میں زرمین کی سالگرہ کی تمام تیاریوں کو حتمی شکل دی جا رہی تھی کل پروگرام کے مطابق آخری پیریڈ کے اختتام پر کیک کاٹنے کی تقریب کو ہنگامے سے کیا جانا تھا کیونکہ سالگرہ ایک معذور لڑکی کی تھی۔۔اس لیے چیئرمین ڈیپارٹمنٹ نے بھی بخوشی اجازت دے دی تھی۔۔پڑھے لکھے لوگ ثواب حاصل کرنے کیلئے ایسے مواقع کب گنواتے ہیں۔۔تمام کلاس والے موجود تھے لیکن زرمین پچھلے تین روز سے یونیورسٹی سے غیر حاضر تھی آج اسے ضرور آنا چاہیے تھا۔۔پہلا پیریڈ ختم ہو گیا لیکن زرمین کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔۔جب دوسرے پیریڈ کے اختتام تک بھی وہ نہ آئی تو سب کو تشویش ہونے لگی۔۔میں نے نرگس کو اس کے گھر فون کرنے کو کہا۔۔گھر سے معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے اس لیے وہ یونیورسٹی نہیں آسکے گی۔۔جب نرگس نے مجھے یہ بات بتائی تو مجھے یہ محسوس ہوا جیسے اس نے آدھی بات چھپائی ہے۔۔۔تمام کلاس والے پہلے ہی سے یہ بات اچھی طرح سے جان چکے تھے کہ بھلے ہی زرمین کا تعلق ماڈرن طبقے سے تھا لیکن وہ آزادانہ طور پر اس کے گھر آ، جا نہیں سکتے تھے اور اسکی وجہ زرمین کے باپ کی سخت طبیعت تھی۔۔جب تمام کلاس والے زرمین کی ناساز طبیعت کو ڈسکس کر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ نرگس کچھ زیادہ ہی افسردگی اور گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، میں اس کے قریب کرسی ڈال کر بیٹھ گیا وہ میری آنکھوں میں عیاں سوال کو بھانپ گئی۔کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے اس کے بعد اس

نے ایک لحظہ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے نہایت اداس لہجہ میں کہا ”دو روز پہلے اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔۔اس لیے اسے کراچی لے گئے ہیں۔۔کل اس کا آنا ناممکن ہے“

میں چند لمحے میں بت بنا اسے تکتا رہا اور جب دل نے بیٹھنا شروع کر دیا تو میں بوجھل قدم اٹھاتا کلاس روم سے باہر نکل گیا۔ ذرا دیر بعد نرگس میرے پیچھے تیز قدم اٹھاتی ہوئی آئی اور ہم ساتھ چلتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ سے دور نکل آئے۔۔ وہ میری نمناک آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی ”سب ٹھیک ہو جائے گا بس ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں“

وہ نرمین کے لیے میری محبت کی شدت جانتی تھی اس لیے مجھے بہت دیر تک تسلیاں دیتی رہی!

جب ہم محبت کے عمل میں ہوتے ہیں تو اس کی دو میں سے ایک وجہ ضرور ہوتی ہے یا تو ہم اپنی ذات کی تکمیل کے خواہاں ہوتے ہیں۔۔یا پھر اپنے محبوب کے ادھورے وجود کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔۔اس کے ذات کے خالی حصوں میں رنگ بھرنے کی خواہش ہمیں ایسا کرنے پر خود بخود مجبور کرتی ہے۔۔ میں محبت کی دوسری وجہ کا گرفتار تھا۔۔ میں نرمین کی ادھوری پھیکی تصویر میں رنگ بھرتے بھرتے اپنی ذات بھی اس میں کہیں گم کر بیٹھا تھا اور اس کا احساس مجھے شدت سے ہو رہا تھا کہ میرے اپنے ہی آنسوؤں پر اختیار نہیں تھا۔۔ میں اپنے سارے اختیار جانے انجانے میں نرمین کے حوالے کر چکا تھا۔ میں اس کے غم نیت باندھ کر سنتا، فرض نماز کی طرح اس کے درد سہلاتا اور اس کے ہاتھوں پر سجدہ کرتا رہا لیکن آج جب اپنا درد دل کی دیواروں سے ٹکریں مارنے لگا تو معلوم ہوا دل کی کال کوٹھری کے اندر سے غم کی لاش ہی روح کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ جیتے جی غم سے فرار ممکن نہیں!

میری راہ میں اس کا وعدہ راستہ روکے کھڑا تھا کہ ’اگر کبھی میں کھو جاؤں تو مجھے تلاش نہ کرنا‘ لیکن اس کا وعدہ نبھانے کیلئے میرا زندہ رہنا ضروری تھا۔ سو میں نے نرگس کو ٹیلی فون

کر کے اس سے گزارش کی کہ وہ کسی بھی طرح سے مجھے کراچی کے اس ہسپتال کا پتہ معلوم کر دے جہاں نرمین داخل تھی۔ نرگس جانتی تھی کہ میرے لیے نرمین تک پہنچنا زندگی اور موت کا سوال بن سکتا تھا چنانچہ اس نے دس منٹ بعد ہی مجھے میری منزل کا پتہ سمجھا کر مجھ پر احسانِ عظیم کر دیا!

میں اسی شام کراچی جانے والی کوچ میں سوار ہو گیا۔۔ جوں جوں کوچ آگے بڑھتی جا رہی تھی میرے انتظار کا پیمانہ بھرنے لگا ایک عجیب سی بے چینی دل میں دھڑکے جا رہی تھی۔

ہماری زندگی کتنی پرسکون ہوتی اگر اس میں انتظار نہ ہوتا۔۔ خوشیوں اور غموں کے وقفے اتنے طویل نہ ہوتے کہ انہی وقفوں کے درمیان انسان بننے اور ٹوٹنے کے عمل سے گزرتا ہے۔۔ بارہ گھنٹے کے سفر میں مجھے نرمین کا ہجر توڑتا اور انتظار دوبارہ تعمیر کرتا رہا۔۔ راستے، پہاڑ، گاؤں، شہر، ہوٹلز، کچے پکے گھروندے مجھے انتظار گاہیں معلوم ہو رہی تھیں۔۔ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کے انتظار میں ہاتھ بھر فاصلے پر کھڑا تھا۔۔ آنے والا راستہ جانے والے راستے کا منتظر۔۔ گاؤں کو شہر بننے اور شہر کو بڑا شہر بن جانے کا انتظار۔۔ ہر شے کسی نہ کسی کے انتظار میں مبتلا نظر آ رہی تھی۔

صبح کے آٹھ بجے کوچ اپنی آخری منزل پر پہنچ گئی۔۔ میں کوچ سے اتر کر گلشن اقبال کیلئے ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔۔ گلشن میں میرے کزن شاہمیر ایک فلیٹ میں رہائش تھی وہ کراچی میں داؤد انجینئرنگ کالج میں زیر تعلیم تھا۔۔ میری اور اس کی ملاقات بلڈنگ کی سیڑھیوں پر ہی ہو گئی۔۔ وہ نیچے ہوٹل میں ناشتہ کرنے جا رہا تھا میری آمد پر حیرت اور خوشی کا ملا جلا اظہار کرتے ہوئے وہ مجھے اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں لے گیا، میرے لیے صاف تولیہ نکالا اور تازہ دم ہونے کی ہدایت کرتا ہوا دوبارہ ناشتہ لانے کیلئے اپارٹمنٹ سے باہر دوڑ گیا۔۔ میرا بدن واقعی تھکاوٹ سے ٹوٹ رہا تھا اس لیے میں بنا وقت ضائع کیے غسل خانے میں ہلا گیا باہر نکلا

تو کمرے میں پنکھے تلے ناشتہ چنا ہوا تھا۔ چائے کی پیالی تلے ایک کاغذ پھڑ پھڑا رہا تھا ۔۔ میں نے شاہمیر کو ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد کاغذ کو اٹھایا تو اس میں انتہائی عجلت میں لکھی گئی تحریر میری نگاہوں کے سامنے تھی" آج کالج میں presentation دینی ہے۔۔ already لیٹ ہو گیا۔۔ تم ناشتہ کر کے سو جاؤ۔۔ afternoon کے بعد ملاقات ہو گی" تحریر کے نیچے ایک بڑی سی مسکراہٹ بنی ہوئی تھی۔۔ میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تو وہ ساڑھے نو کا ٹائم تھا۔۔ میں نے اطمینان سے پیالی میں چائے انڈیلی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر چسکیاں لینے لگا۔۔ دستر خوان پر حلوہ پوریاں بھی اخبار میں لپٹی دھری ہوئیں تھیں لیکن میرا ذہن جو کہ کچھ دیر کیلئے زمین کو یکسر بھول چکا تھا دھیرے دھیرے واپس اس کی یاد کے حصار میں لوٹنے لگا۔۔ میٹھی الائچی والی چائے یک دم پھیکی اور بدمزہ سی ہو گئی۔ اضطراب میں اضافہ ہوتا چلا گیا کمرے میں مدھم رفتار سے چلتے ہوئے پنکھے کا ہلکا سا شور میرے ذہن پر حاوی ہونے لگا میں نے چائے کی پیالی دستر خوان پر رکھ کر دیوار کے ساتھ سر ٹکا دیا اور زمین کے تصور میں آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ نا جانے کس وقت سفر کی تھکاوٹ نے مجھے نیند کی آغوش میں دے دیا!

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو زمین پر بچھے موٹے گدے پر پایا۔۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے کمپیوٹر کے سامنے شاہمیر کو دیکھا جو کہ اپنا سر کھجا کھجا کر کچھ ٹائپ کرنے میں بے انتہا مگن تھا۔۔ مجھ پر نیند ابھی غالب تھی کہ اچانک میرے ذہن میں ہزار واٹ کا بلب روشن ہوا اور زمین کا چہرہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دمکتا ہوا میری نگاہوں کے پردے پر نمودار ہو گیا میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔ شاہمیر نے پلٹ کر اپنی عینک کے پیچھے سے مجھے دیکھا لیکن میری نظریں وال کلاک پر جم گئیں۔۔ کلاک ساڑھے ساتھ بجا رہا تھا میں نے جلدی سے اٹھ کر باہر جھانکا تو روشنی جا چکی تھی!

''سارے گھوڑے بیچ کر اٹھے ہو بھائی'' شاہمیر نے مجھے مخاطب کیا لیکن میں تیزی سے غسل خانے میں گھس گیا۔

'کیا میں کراچی سونے آیا تھا؟' میں نے غصے میں اپنے آپ سے سوال کیا۔ غسل خانے سے نکل کر میں جوتے پہننے لگا تو شاہمیر کمپیوٹر کو چھوڑ کر میرے پاس آ بیٹھا ''ہیلو! یہ چکر کیا ہے'' اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنی عینک ناک پر چڑھائی

''کچھ نہیں یار بہت دیر ہوگئی ہے واپس آ کر سارا معاملہ سمجھاؤں گا'' میں جوتے پہن کر کھڑا ہو گیا

اس نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا اور پھر فوراً ایک کاغذ کی پرچی پر کچھ لکھ کر میرے ہاتھ میں تھما دیا'' یہ نیچے درزی کی دکان کا ٹیلی فون نمبر ہے کوئی مسئلہ ہو جائے تو اطلاع کر دینا'' اس کی لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی

میں پرچی کو جلدی سے جینز کی جیب میں ٹھونس کر'' خدا حافظ'' کہتا ہوا باہر کی جانب لپکا لیکن میرے قدم رک گئے اور نا جانے میرے دل میں کیا خیال آیا کہ میں پلٹ کر اسکے پاس گیا اور اسے گلے لگا کر کہا'' یار میری واپسی تک دعا کرتے رہنا کہ۔۔ میری ایک دوست بہت بیمار ہے'' یہ کہہ کر میں تیزی سی باہر نکل آیا۔

اپارٹمنٹ سے نکل کر میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا یونیورسٹی روڈ کی طرف روانہ تھا جہاں سے مجھے ٹیکسی با آسانی مل جانی تھی۔۔ کراچی میں رات کا آغاز دن کے مقابل کئی زیادہ دلفریب ہوتا ہے۔۔ لوگ گھروں کو چھوڑ کر سمندر کی جانب سے آنے والی نم ہواؤں میں گھومنا پھرنا پسند کرتے ہیں۔۔ سڑکیں، پارک، شاپنگ مال، فوڈ پوائنٹ، ہر جگہ لوگوں کا جم غفیر دیکھنے کو ملتا ہے۔۔ ساحل سمندر پر لوگ اپنی پریشانیاں قہقہوں میں اڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دن بھر کی تھکن سمندر کے حوالے کر کے گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں لیکن

میں اپنے اردگرد سے یکسر بے خبر ہو کر کہیں چلتا جا رہا تھا۔ پرانی ریلوے لائن کو کراس کر کے سامنے اردو سائنس کالج کے سامنے میں ٹیکسی پر سوار ہو گیا۔ راستے میں، میں نے ایک بچے سے سگنل پر پھولوں کا گلدستہ خرید لیا۔ جوں جوں ٹیکسی ہسپتال کے قریب ہوتی جا رہی تھی میرے دل پر بوجھ سا بڑھنے لگا۔

ہسپتال کے مین گیٹ پر اترتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یکدم میری ٹانگوں نے مزید چلنے سے انکار کر دیا ہو۔ ٹانگوں میں جیسے جان ختم ہو گئی ہو۔ آسمان پر ستارے اور زمین پر بیمار لوگوں کے چہرے بجھے ہوئے لگ رہے تھے۔ آج نرمین کی سالگرہ ہے۔ میرے لبوں پر خود بخود ایک مسکراہٹ سی پھیل گئی اور چلنے کی سکت بھی پیدا ہو گئی میں تیزی سے ہسپتال کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ کراچی کا ایک بہت نامور پرائیویٹ ہسپتال تھا۔ ہسپتال میں مجھے نرمین کو تلاش کرنے میں زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا وہ ایک سپیشل روم میں موجود تھی لیکن Reception پر چھوٹی سی انکوائری کے بعد وہاں موجود لڑکی نے انٹر کام کے ذریعے نرمین کے روم کا نمبر ملایا اور میرا نام بتایا۔ وہ ابھی اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک دم اس کے لبوں کو چپ سی لگ گئی اس نے صرف ''یس میم'' کہہ کر ریسیور نیچے رکھا اور ہاتھ کے اشارے سے سیڑھیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھے مخاطب کیا ''فرسٹ فلور پر تشریف لے جایئے روم نمبر 18''

میں ''شکریہ'' کہہ کر سیڑھیوں کی جانب لپکا۔۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مجھے پہاڑ پر چڑھنے جیسا احساس ہو رہا تھا میرے ذہن میں اچانک نرمین کے کمرے میں موجود اس کے ماں باپ بہن بھائیوں رشتہ داروں کا خیال آیا کہ اگر انہوں نے پوچھ لیا کہ میں اتنی دور سے کس رشتہ کے ناطے نرمین سے ملنے آیا ہوں؟ اگر صرف دوست ہوں تو باقی کلاس فیلوز کیوں ملنے نہیں آئے؟ کیا میرے ملنے سے نرمین کے باپ کے دل میں نرمین کا امیج خراب

نہیں ہو جائیگا؟ اس کے خاندان والے کیا سوچیں گے کہ نرمین یونیورسٹی میں یہ گل کھلانے جایا کرتی تھی؟ ایک معذور لڑکی اور محبت؟ اس کے رشتہ دار تو توبہ توبہ کر کے کانوں کو ہاتھ لگائیں گے۔۔ میرے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے اور میں تھک کر آخری سیڑھی پر بیٹھ گیا۔۔ تازہ گلابوں کا گلدستہ میری جھولی میں تھا اور میں نے آہستہ سے اس پر اپنا سر رکھ دیا۔۔ ایک نرس نے انتہائی شائستہ انداز میں مجھے مخاطب کیا "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے" میں نے فوراً سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا "جی، شکریہ"۔۔ نرس مسکرا دی اور تشویش آنکھوں میں رکھ کر آگے بڑھ گئی۔

میں نے آنکھیں موند کر دل ہی دل میں پکار لگائی "اے اللہ میری مدد فرمانا" اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرہ نمبر 18 کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا ایک منٹ بعد ہی میں کمرہ نمبر 18 کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ میں نے ہلکی سی دستک دی تو ایک خاتون نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا میری نگاہیں اس کے چہرے سے ٹکراتے ہی بیڈ پر لیٹی ہوئی نرمین پر جا گریں اور وہیں پڑی رہ گئیں

"اندر آ جاؤ" خاتون کی آواز سے میرے قدم خود بخود حرکت میں آ گئے اور میں نرمین کے چہرے کو تکتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آ پہنچا۔۔ اس نے اپنی سرخ حاشیوں والی نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کیسے ہو شاعرِ محبت" وہ معمولی سی کروٹ پر لیٹی ہوئی تھی۔

میں نے پھولوں کا گلدستہ اس کے پہلو میں آہستہ سے رکھ دیا۔ میں اپنی نگاہ اس کی آنکھوں سے اب تک نہ چھڑا سکا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں صرف آنکھیں رہ گئی تھیں جو کہ زندہ تھیں۔

میری خاموشی کو دیکھتے ہوئے میرے عقب میں کھڑی ہوئی عورت نے مداخلت کی "

آپ یہاں آرام سے بیٹھ جایئے'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ میری چھوٹی خالہ ہیں'' زمین کی خفیف آواز آئی۔

میں سر ہلا کر صرف ہلکا سا مسکرا سکا اور صوفے پر چپکا سا بیٹھ گیا۔

کمرے میں بالکل خاموشی تھی چند لمحوں بعد زمین کی خالہ نے مجھے باقاعدہ مخاطب کیا'' عموماً اس وقت ملاقاتیوں کو ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن آپ دور سے تشریف لائے ہیں اس لیے اطمینان سے باتیں کریے''

مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ میں نے ایک نظر زمین کی طرف دیکھتے ہوئے انکا شکریہ ادا کیا اس کی خالہ زمین کے پاس گئیں۔۔ نہایت پیار سے اس کے ماتھے سے بال پیچھے کیے اور سرگوشی میں کچھ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں اب کمرے میں ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہ تھا۔

''وہاں مت بیٹھو یہاں آ کر میرے پاس بیٹھو'' زمین نے اپنی پتلی سپید انگلی سے بیڈ کی خالی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

میری نگاہیں بے اختیار دروازے کی جانب اٹھ گئیں تو وہ مسکرا دی'' فکر نہ کرو جب تک تم کمرے میں ہو یہاں کوئی نہیں آئیگا۔ موت کا فرشتہ بھی نہیں'' میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا اور اس کے چہرے کو دیکھتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''تم نے مجھے سالگرہ کی مبارک نہیں دی''

''سالگرہ مبارک ہو''

''بندہ کیک ہی لے آتا ہے''

میں اب جیسے دھیرے دھیرے مدہوشی سے ہوش میں آ رہا تھا کہ مجھے زمین کے دیدار

کرنے کے سوا

اور کچھ بھی یاد نہ تھا۔

''بہت فضول عاشق ہو تم''

میں جانتا تھا کہ وہ یہ سب میرا دھیان اپنی بیاری سے ہٹانے کے لیے کہہ رہی تھی لیکن کبھی کبھی انسان کو سب کچھ جاننے کے باوجود بھی انجان بننے کی اداکاری کرنا ہی پڑتی ہے سو وہی میں کرنے لگا ''میں تیری یاد سے نکلوں تو کچھ یاد رہے'' میرے اندر کے شاعر نے مجبوراً انگڑائی لی حالانکہ میرا دل اسے گلے لگا کر بہت زور زور سے رونے اور چیخنے کو کر رہا تھا۔

''کتنی خوبصورتی سے بات کو ٹال دیا۔ آخر ہو نا شاعر''

''تیری قربت میں آ کر سوچتا ہوں

میں شاعر تھا کہ اب شاعر بنا ہوں''

''میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے''

''میں سنوار دوں اس کو تمہاری زلفوں سا

اگر یہ رات میرے پیار کی گواہی دے''

''میں جانتی تھی کہ تمہاری محبت کے طوفان کے آگے میرا وعدہ اک تنکے کے سوا کچھ بھی نہیں''

''شکستہ وعدہ کو بھول کر

یہ دل سلامت قبول کر''

''جی!'' اس نے مجھے کچھ یوں مخاطب کیا کہ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں ''غفران بہت لمبا نام ہے، مجھے اجازت دو کہ میں تمھیں صرف 'جی' کہہ کر پکاروں۔ پلیز''

''اجازت نہ مانگو۔ حکم صادر کرو''

''تھینک یو''

''بولو جانِ جی''

''میرے اوپر سے یہ سفید چادر کھینچ کر اتار دو گے پلیز'' اسکا زردی مائل چہرہ پر سرخی دوڑ گئی۔

''الجھن ہو رہی ہے؟''

اس نے پلکیں جھپکا کر ''ہاں'' کا اشارہ دیا۔

میں نے انتہائی سلیقے اور آرام کے ساتھ اس پر سے سفید چادر کو اٹھا کر پائنتی کی طرف رکھ دی

لیکن میری نگاہیں اس کے سر سے پاؤں تک دوڑتی چلی گئیں۔ اس نے وہ لباس پہن رکھا تھا جو میں نے اسے سالگرہ سے پہلے تحفتاً دیا تھا میرے آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکان تھی۔

''جی! خدا کی قسم میری حالت ایسی نہیں کہ میرا جسم یوں سج دھج کے تیار ہو اور بستر پر پڑا رہے لیکن کہیں میرے دل سے مجھے یہ آواز مسلسل آرہی تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔۔ یہ محبت کی طاقت ہے جس نے مجھ سے یہ سب کروایا ہے اور میں آمادہ ہوگئی۔۔ میرا تمام تر خوف آج ختم ہوگیا کیونکہ آج میں نے صرف صرف اپنے دل کی آواز سنی ہے۔۔ میں جب سے اس ہسپتال میں آئی ہوں آج پہلی مرتبہ مجھے سکون نصیب ہوا ہے۔۔ تم شاعر ہو۔ رائٹر ہو لیکن میری یہ بات لکھ لو کہ محبت کوئی بے اختیاری شے ہے یہ بھی خدا کی طرح ان دیکھی ان ہو چھوئی سہی لیکن بے حد طاقتور ہوتی۔ بے انسان سے وہ سب کچھ کروانے پر قادر ہوتی ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا یا جسے کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوتی

۔۔ میں اپنے دنوں اس سفید چادر تلے مریضوں والے لباس میں نیم مردہ جسم کے

ساتھ بستر پر مشینوں سے مصنوعی سانس لیتی رہی لیکن آج جب تم نے اس سفید کفن کو میرے اوپر سے اتارا تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے محبت نے مجھے چھولیا۔۔سچ مچ چھولیا۔۔جیسے برف کے موسم کے بعد بہار نے زمین کو چوم لیا ہو!''

نرمین واقعی اب ویسی نہیں لگ رہی تھی جیسا کہ میں نے کمرے میں داخل ہوتے سمے اسے دیکھا تھا۔اس کی آواز میں واضح فرق آچکا تھا آنکھوں میں نا قابل بیان خوبصورت چمک؟ اور چہرہ پر گہرا سکون ــــــــ اس کی لبوں پر زندگی کے آثار کھل چکے تھے لیکن اس کے باوجود میں اپنے آنسوؤں کو نہ روک پایا شاید میرے دل کی آنکھوں نے نرمین کے اندر کے جان لیوا روگ کو دیکھ لیا تھا۔

''تم اتنی دور سے میرے پاس رونے آئے ہو،جی!''

میں اسے کیا بتا تا کہ آنسوؤں کا موت سے بہت گہرا تعلق ہے موت کی چاپ سن کر بہنے والے آنسوؤں کا ذائقہ بڑا ہی کسیلا ہوتا ہے اور اس وقت ویسا ہی ذائقہ میرے ہونٹوں کے کناروں سے اندر میری زبان کو چھو رہا تھا۔

''میرا ہاتھ تھامو،جی!''اس نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جنبش دی میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام لیا اس کے ہاتھ کے لمس نے اینٹی بائیوٹک کی طرح اثر کرتے ہوئے میرے آنسوؤں کو کافی حد تک روک دیا۔کچھ دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر گہری سوچ کی دہلیز پر بیٹھے رہے۔

''میں جانتی ہوں تم بہت اچھے ادیب ہو۔شاعر ہو۔میں نے کبھی تم سے شاعری کے حوالے سے کوئی فرمائش نہیں کی لیکن آج میرا دن ہے۔۔آج میرے لیئے کوئی نظم کہو نا۔جی۔پلیز''

ایک پھیکی سی مسکراہٹ خود بخود میرے لبوں پر پھیل گئی میرا ذہن فوراً ایک نظم کا تانا بانا

بننے لگا۔ ان گنت الفاظ میرے ارد گرد اڑنے لگے۔ میری سوچ کے ساتھ کمرے کا سکوت بھی گہرا ہوتا چلا گیا کہ اچانک ایک دبلی پتلی نرس دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر ہاتھ میں ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوگئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بیڈ کے قریب آئی اور ٹرے ایک طرف رکھ کر نرمین سے مخاطب ہوئی ''آج تو آپ بالکل گلاب کا پھول بنی ہوئی ہیں''

نرمین نے جواباً مسکرا کر اسے 'شکریہ' کہا اور ہلکا سا میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے دبایا۔

''نازلی، تم نے دیکھا نہیں کہ آج کون آیا ہوا ہے'' نرمین نے میری طرف دیکھتے ہوئے نرس کو مخاطب کیا

''ان سے تو میں مل چکی ہوں'' نازلی نے بلڈ پریشر چیک کرنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا

''کب'' نرمین کے منہ سے بے اختیار نکلا

میں نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا میرے ذہن میں نظم کی تعمیر کا کام فوری طور پر رک گیا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے سیڑھیوں پر'' اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا تو مجھے یاد آ گیا کہ یہ وہی نرس ہے جس نے مجھے سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ کر میری طبیعت پوچھی تھی۔

''اگر میں ایک بات کہوں آپ برا تو نہیں مانیں گے'' نازلی نے مجھے مسکراتے ہوئے مخاطب کیا

''نہیں۔ بالکل نہیں''

''میں نے ان کا بلڈ پریشر چیک کر کے انہیں میڈیسن دینی ہیں اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آکسیجن ماسک بھی لگا دینا ہے'' نازلی نے اطمینان سے اپنی بات مکمل کی۔

میں نے آہستہ سے نرمین کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے چھڑا کر بیڈ پر رکھا تو نرمین نے مجھے

روکتے ہوئے نازلی ۔سے مخاطب ہوئی ’’پلیز نازلی۔ آج یہ سب نہ کرو۔ آج میں بالکل ٹھیک ہوں ۔نہیں پلیز آج نہیں‘‘ وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی

میں اپنے دل پر پتھر رکھ کر کھڑکی کے پاس چلا آیا میری بیٹھ زمین اور نازلی کی طرف اور نگاہیں کھڑکی کے شیشے پر پڑنے والے نازلی اور زمین کے ہلکے سے عکس پر تھیں

نازلی ۔نے اس ۔کے گال پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ’’ڈیئر۔ میں اپنی ڈیوٹی کے ہاتھوں مجبور ہوں‘‘

’’نہیں نا تمہاری میڈیسن سے مجھے نیند آ جاتی ہے اور آج میں سونا نہیں چاہتی۔ پلیز نازلی‘‘ زمین کی آواز گلے میں رندھ گئی

ذرا سی خاموشی کے بعد نازجی نے جیسے ہار مان لی ’’اچھا ابھی صرف بلڈ پریشر چیک کروالو اور کمر ۔کے زخموں پر دوا لگانے دو۔ میڈیسن تھوڑی دیر بعد آ کر دے دوں گی‘‘

’’تھینک یو، نازلی‘‘ زمین کی ہلکی سی آواز آئی ۔نازلی اس کا بلڈ پریشر چیک کرنے لگی اور میری نظریں خود بخود شیشے کے پار ستاروں بھرے آسمان پر چپک گئیں۔ میرا ذہن نظم کی دوبارہ تعمیر کرنے لگا اور آنسو ایک مرتبہ پھر میرے گالوں پر اترتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں نازلی کی آواز سے چونکا

’’سنیے‘‘ میں نے جلدی سے اپنی گیلی پلکوں کو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف مڑا تو وہ مدھم آواز میں بولی ’’میں نے ابھی انہیں میڈیسن نہیں دی کچھ دیر بعد آ کر دونگی لیکن آپ نے ایک بات کا خیال رکھنا ہے‘‘

میں نے زمین کی طرف دیکھا تو وہ بالکل کروٹ پر لیٹی ہوئی تھی

’’میں نے ان کی کمر کے زخموں کو صاف کر کے دوا لگا دی ہے بس آپ نے دھیان رکھنا ہے کہ یہ کروٹ نہ بدلیں ۔۔ایک اور خاص بات کہ کسی بھی ایمرجینسی کی صورت میں

آپ نے فوراً بیڈ کے ساتھ لال بٹن دبا دینا ہے''

میں نے محسوس کیا کہ نازلی کا لہجہ کچھ ٹوٹا ہوا تھا۔ پیشہ ور نرس ہونے کے باوجود اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ انسان ہونے کے ناطے مریض کی ضد کو بالکل نظر انداز کرنے سے قاصر تھی

نازلی نے مسکرا کر نرمین کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ادھر آ جاؤ۔ میرا ہاتھ تھام لو کہ زخموں میں بہت درد ہے''

''تمام زخم بھر جائیں گے زخموں کو تو بھرنا ہی ہوتا ہے'' میں نے اس کا ہاتھ دوبارہ تھام لیا وہ دائیں کروٹ پر لیٹی ہوئی تھی۔ بالوں کی لٹ اس کے رخسار پر پڑی ہوئی تھی

''لیکن میرے زخم بھی میری قسمت کی طرح بگڑے ہوئے ہیں ان کا بھر جانا محال ہے''

''مایوسی کی باتیں نہ کرو پلیز''

اتنی خوبصورت جوان لڑکی بہار کے دنوں میں خزاں کے خوف سے لرز رہی تھی

''اچھا چھوڑو ساری باتیں'' اس کے لہجہ میں یک دم بچوں کی سی معصومیت آ گئی

''مجھے نظم سناؤ''

میں نے اس کے رخسار سے بالوں کی لٹ کو پیچھے کی طرف سمیٹا اور اپنی پوری ہمت کو یکجا کرتے ہوئے نظم کا آغاز کیا

میری دوست میری جان میری دلربا
یہ مرض کس نے کہا ہے تیرا لا دوا
گو طبیبوں کے نسخے مؤثر نہیں
یہ مگر میری جاں حرف آخر نہیں

مجھ کو معلوم ہے یہ کٹھن مرحلہ
آزمائے گا پل پل تیرا حوصلہ
کوئی آئیگا پھولوں کی کلیاں لیئے
کوئی آئیگا یوں ہی تسلیاں لیئے
درد تیرے لیئے ہے علامت فقط
مانگ ایمان اپنا سلامت فقط
آزمائی ہے جس نے تیری بندگی
وہی دے گا تجھے پھر نئی زندگی
اک دن تیرگی یہ بھی چھٹ جائیگی
چھین کر تیری امید سے روشنی

زمین کی بند آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے

میں چپ چاپ سر جھکائے اسکا سرد ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔

اسکی خوبصورتی قسمت کی غلامی میں رنجور تھی۔

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔۔ گیلی پلکوں کے اس طرف غمگین مدھم سی روشنی میرے چہرے پر پڑنے لگی ''تم مجھے بھول جانا، جی۔ مجنوں جیسی حالت نہ بنا لینا'' زبردستی کی ہلکی پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی

''تم نے بتایا نہیں کہ نظم تمہیں کیسی لگی''

''سچ بتا دیا تو تم ناراض ہو جاؤ گے اور جھوٹی تعریف مجھے نہیں کرنی''

''سچ بتا دو۔ نہیں ہوتا ناراض''

''آخری دو مصروں کے علاوہ تمام نظم بے انتہا خوبصورت تھی''

''پھر وہی مایوسی کی باتیں''

''نہیں جی، سچ میں میری امیدوں کے تمام چراغ بجھ چکے ہیں، میرے درد کا درماں زندگی سے نجات میں پنہاں ہے۔معذور بیمار جسم کا بوجھ اب نہیں سہا جاتا تھک کے چور ہو گئی ہوں، مجھے موت کے اندھیروں میں کوئی امید کی کرن نہیں دیکھنی کہ مجھے موت کا گہرا ہوتا ہوا اندھیرا ہی سکون دے گا''

اس کے ہونٹوں سے موت کا لفظ سن کر میری روح کانپ اٹھی اور آنکھیں بھیگ گئیں'' کیا تم یہ چاہ رہی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں''''نہیں''اس نے میرے ہاتھوں کو اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا''میرے قاتل، میرے دلدار، میرے پاس رہو، تم ہو تو میرے پاس موت بھی نہیں آ سکتی''

میری بے بسی کے آنسو بدستور میرے گالوں پر رینگ رہے تھے

''کیوں لڑکیوں کی طرح روئے جا رہے ہو Be a brave man''

بھیگی آنکھوں میں نرمین کا چہرہ ڈوبتا ہوا دکھائی دیا تو میں نے گھبرا کر فوراً آنسو پونچھ لیے

''جی، تم نہیں چاہتے کہ میں سکون حاصل کروں۔ بولو''

''یہ کیسا سوال ہے میں کیوں نہیں چاہوں گا''

''اگر میں جی سکتی تو ضرور جیتی، میں جان بوجھ کر زندگی سے نجات حاصل کرنا نہیں چاہ رہی یہ تو میرے درد اور تکلیف کی شدت کا تقاضا ہے جو خود بخود میری زبان پر چلا آتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ دنیا میں کوئی شخص سو فیصد اپنی مرضی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا لیکن میں کیا کروں کہ لاکھ کوششوں کے باوجود میں اپنے مایوس دل کو یہ بات نہیں سمجھا سکی۔۔میں جینا چاہتی تھی لیکن نا جانے کب کس گھڑی میں موت کی الفت میں گرفتار ہو گئی''

''بس چپ کرو ''

''نہیں۔ میں تماشا نہیں بننا چاہتی''

''تمہیں کچھ نہیں ہوگا کچھ نہیں'' اس وقت میرے اندر شدید توڑ پھوڑ جاری تھی لیکن میں اپنے جذبات پر قابو رکھے ہوئے تھا

''تم بہت دیر سے ملے ہو، جی۔ کاش تم کچھ پہلے میری زندگی میں آجاتے تو شاید۔۔''

میں نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی

''فیصلے تو خدا کرتا ہے۔ درست فیصلے۔۔ اور تمہیں اسی خدا کا واسطہ مایوسی کی باتیں نہ کرو''

''فیصلہ تو ہو چکا، جی۔ بس تم بے خبر ہو''

میں جانتا تھا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے کہ کبھی کبھی انسان کو اپنی زندگی میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے لیکن کوئی اسکی بات کا یقین نہیں کرتا یا پھر نہیں کرنا چاہتا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ خشک دیمک لگے تیزی سے کھوکھلے ہوتے ہوئے پیڑ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ کبھی ہم جنہیں مایوس سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ درحقیقت مجبور ہوتے ہیں۔ بے انتہاء بے بسی کے عالم میں گرفتار لیکن ان تمام باتوں کے جاننے کے باوجود میں خود اسے تسلیاں دینے پر مجبور تھا کہ میں اس کی محبت کے ہاتھوں بے بس تھا۔

''کاش میں تم سے ملنے سے پہلے مر جاتی۔ کاش'' وہ اچانک کمر کے بل لیٹ گئی جب کہ نرس نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ یہ کروٹ نہ بدلنے پائے

''دوبارہ کروٹ پر آجاؤ نرمین'' میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا

''نہیں اس طرح مجھے سکون مل رہا ہے'' وہ دائیں بائیں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی

''تمہاری حالت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی میں نرس کو بلاتا ہوں'' میں نے اپنا ہاتھ اس

کے ہاتھوں سے چھڑا کر لال بٹن دبانا چاہا لیکن اس نے منع کر دیا

''تمہیں میری قسم جی، تم کسی کو نہیں بلاؤ گے بس تم میرے پاس رہو بس تم''

''نرمین۔۔''

''کچھ مت کہو بس سنو، ایک معذور لڑکی سمجھ کر مجھ پر ترس کھاؤ اور صرف سنو''

میں چپ چاپ بت بنا کھڑا تھا

''تم شاعر ہو ادیب ہو۔کل تمہارا سارے زمانے میں نام ہوگا۔ہاں! میں جانتی ہوں کہ تم شہرت کے آسمان پر بہت جلد چمکنے والے ہو، جی۔تم مجھ جیسی معذور لڑکیوں کے بارے میں ضرور لکھنا، پلیز اور دنیا کو بتانا کہ معذور جسم میں بھی دھڑکنے والا اور محبت کو محسوس کرنے والا دل ہوتا ہے ہزاروں غم والم برداشت کرنے کے باوجود غلط رویوں کی ذرا سی ٹھیس لگنے پر ٹوٹ کر بکھر جانے والا دل! تم لکھو گے نا جی؟''

''ہاں''

اس نے آنکھیں موند لیں ''یہ بھی لکھنا کہ ہم جیسے معذور لوگ وقت سے پہلے صرف اور صرف عدم محبت کا شکار ہو کر مرتے ہیں۔ معاشرے کے منفی رویوں میں ہمارا دم گھٹتا ہے ۔۔ہم جس گھر میں ہوں وہاں صف ماتم بچھا رہتا ہے۔۔دنیا کی نگاہ میں ہم زمین پر رینگتی ہوئی بیماریاں ہیں ۔۔ہماری کوئی شناخت نہیں ہوتی، ہمارا کوئی نام نہیں ہوتا، ہم صرف معذور ہوتے ہیں صرف معذور''

''خدا کے لیے چپ کر جاؤ نرمین''

''میں چپ نہیں کرسکتی، جی۔۔ سے بہت تھوڑا رہ گیا ہے''

میری آنکھوں سے آنسو باہر آنے کو بیتاب تھے

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی، جی''

''کیسی حیرت''

''اس بات کی حیرت کے اس مرنے کی گھڑی میں میرے پاس میرے ماں باپ بہن بھائی کوئی بھی تو نہیں''

''تمہاری خالہ تو ہیں نا'' لیکن مایوسی کی بات تم کو زیب نہیں دے رہی

''مجھے میری بہن نے آج فون کیا تھا اور کہہ رہی تھی کہ کل اسکا فائنل پرچہ ہے اسکے بعد وہ کراچی میرے پاس آ کر رہے گی، میرا بھائی دو دن پہلے مجھ سے بڑے پیار سے اجازت لے کر لاہور گیا ہے کہ وہاں اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ کسی فیسٹیول میں جانا تھا، میری ماں دن کے وقت میرے پاس ہوتی ہے لیکن وہ تو خود بلڈ پریشر کی مریضہ ہے تھک جاتی ہے اور شام تک گھر چلی جاتی ہے'' وہ چپ ہو گئی ''اب پتہ چلا کہ دنیا کے کام کسی کے ہونے نہ ہونے سے نہیں رکتے'' اس کی آنکھیں نم آلود ہونے لگیں

''اور تمہارے ابو''

اسکی آنکھوں کے کونوں پر آنسوؤں کی دو لکیریں بن گئیں ''یہ بہت مہنگا ہسپتال ہے، جی ۔اس کا ایک دن کا خرچ برداشت کرنا عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ تمام خرچ کون برداشت کر رہا ہے میرا باپ۔ کیا ہوا جو وہ اپنی کاروباری مصروفیت کی وجہ سے یہاں میرے پاس نہیں لیکن اس کی دولت کی بدولت ہی تو اس ہسپتال میں مجھے مصنوعی سانس دیا جا رہا ہے، شاید میرا باپ ٹھیک سوچتا ہے کہ مجھے زندہ رہنے کیلئے اس کی محبت کی نہیں بلکہ ایک اچھی نرس کی ضرورت ہے جو میرا خیال رکھ سکے، دن رات میری خدمت میں حاضر رہ سکے''

''زمین پلیز''

''دیکھا، نا۔ جی، تم یہ بھی ضرور لکھنا ہم جن پر تمام عمر ساتھ دینے اور رشتے نبھانے کا دھوکہ کھائے ہوتے ہیں وہی لوگ ہمارے مرنے کی گھڑی میں ہمارے سامنے نہیں ہوتے

۔یہ دنیا بڑی بے وفا جگہ ہے یہاں ہر کسی کو تنہا جینا سیکھنا چاہیے،رشتوں پر اعتبار کرنا چاہیے لیکن انحصار نہیں۔سہاروں کے عادی لوگ بے سہارا ہو کر میری طرح بستر مرگ پر اپنے پیاروں کو یاد کریں تو تکلیف دگنی ہو جاتی ہے۔آخری سانس کا ہاتھ تک یادوں کا دامن بڑی ہی مشکل سے چھوڑتا ہے۔اذیت اف اذیت''

زمین نے میرے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔شاید مجھے بھی یقین ہو چکا تھا کہ یہ گھڑیاں واقعی ہی الوداعی گھڑیاں ہیں،وہ مر جائے گی۔میں اس کا ہاتھ تھامے بیڈ کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑا رہا میری جبین اس کے ہاتھ پر تھی اور آنکھوں سے سیلاب امڈ رہا تھا۔کمرے میں میری سسکیوں کی آواز تھی۔

وہ دیر تک چپ چاپ لیٹی رہی۔

''جی،میرے بعد تمہاری زندگی میں جو لڑکی بھی آئے،تمہاری بیوی بنے تو اسے میرے بارے میں ضرور بتانا''

میں چپ رہا

''جانتے ہو کیوں؟کیونکہ میں چاہتی ہوں اسے پتہ چلے کہ تم کتنے عظیم انسان ہو۔ایک قبر کے دہانے لیٹی ہوئی معذور بے بس لڑکی کے لیے رو رہے ہو''

''ہاں!ہاں!میں تمہاری مایوس باتوں پر رو رہا ہوں''میرے دل پر جیسے خنجر سے وار ہوا

''یہ تمہاری محبت معاشرے کے میرے ساتھ روا سلوک کا مداوا ہے''

''تم نہیں تو تمہارے بعد کوئی نہیں،زمین''

''پاگل''وہ میرے ہاتھوں کو اپنی جانب کھینچتے ہوئے ہولے سے بولی''اپنے ہاتھوں کو میرے لبوں پر رکھ دو،جی''

میرا آنسوؤں سے تر بتر ہاتھ اس کے لبوں پر تھا۔اس کا سانس اکھڑنے لگا تو میں نے

ہاتھوں کو پیچھے کھینچ لیا

''تم ضرور شادی کرو گے، جی۔تم زندگی میں مصروف ہو جانا ورنہ تم جتنا مجھ کو یاد کرو گے میں اتنا ہی بے چین رہوں گی۔ میری دعا ہے کہ خدا تمہیں ایسی بیوی عطا کرے جو تمہیں راحت وسکون دے پیار کرے تمہارے دل میں رہے آمین''

میں خاموش رہا

''کہو نا تم آمین''

''ثم آمین''

وہ ہلکا سا مسکرا دی اور ساتھ ہی اس کی سانس بے قابو ہونے لگی

''اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا'' میں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر لال بٹن دبا دیا

''کوئی فائدہ نہیں، جی۔رخصت کی گھڑی آن پہنچی ہے''

''نہیں زمین''

نرس نازلی اور اس کے پیچھے زمین کی خالہ تیزی سے اندر داخل ہوئے نرس نے فوراً سے بیشتر زمین کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس کہ منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا دیا۔زمین کی سانسیں قابو میں آنے لگیں کچھ توقف کے بعد مجھے محسوس ہوا جیسے زمین کی خالہ کی نظریں میرے ہاتھوں پر تھیں جن میں زمین کا ہاتھ جکڑا ہوا تھا میں نے آہستہ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر زمین نے ہاتھ کی گرفت اور مضبوط کر لی اس وقت مجھے اپنا آپ مجرم دکھائی دے رہا تھا کہ اگر میں کچھ دیر پہلے ہی زمین کی ضد نہ مان کر بٹن دبا دیتا تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

نرس نازلی بالکل خاموشی سے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ زمین کو اٹینڈ کرنے میں مصروف تھی جبکہ زمین کی خالہ کا چہرہ پہلے سے زیادہ افسردہ تھا۔کچھ دیر بعد زمین نے

آکسیجن ماسک ہٹانے کیلئے نرس کو سر ہلا کر آنکھوں سے اشارہ کیا نرس نے بیڈ کے ساتھ پڑی مشین میں دیکھ کر اس کی بات مان لی۔ آکسیجن ماسک اتر چکا تھا نرمین ایک مرتبہ پھر نارمل ہوگئی مجھے سب بہت اچھا لگا جیسے ماسک اس کے نہیں بلکہ میرے منہ پر سے اتارا گیا ہو۔

''تم کمر کے بل کیوں لیٹ گئی'' نرس سر ہلاتے ہوئے نرمین سے مخاطب ہوئی'' کیا آپ تھوڑی دیر کیلئے کمرے سے باہر جائیں گے'' نرس کا لہجہ بالکل سپاٹ اور اس نے براہ راست سنجیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا

''نہیں'' نرمین کی آہستہ سے آواز ابھری

میں نے بمشکل اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے چھڑا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نرمین کو نرس کی

ہدایات پر عمل کروانے میں بالکل ناکام رہا تھا چند لمحوں بعد نرمین کی خالہ بھی میرے پیچھے آگئیں ہم دونوں باہر کرسیوں پر خاموش بیٹھے تھے میری پلکیں ابھی تک گیلی تھیں

''ڈاکٹرز نے دو دن سے جواب دے رکھا ہے کہ نرمین کسی بھی وقت۔۔'' اس کی خالہ کی آواز میں بے انتہاء درد تھا

میں نے دونوں آنکھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا

''میری لاڈلی بھانجی، ہم اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتے۔ کچھ بھی نہیں'' شدت جذبات سے رندھی ہوئی آواز سن کر میرا دل پاش پاش ہوتا چلا گیا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو میں نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا ایک لمبا چوڑا قد آور ڈاکٹر کمرے میں تیزی سے داخل ہو رہا تھا نرمین کی خالہ فوراً اس کے پیچھے بھاگی میں بھی کمرے کے اندر داخل ہوگیا۔ نرمین کے منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود سانسیں بے قابو ہوتی چلی جا رہی تھیں اس کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئیں تھیں جہاں پر میں اور میرے

سامنے اس کی خالہ کھڑی تھیں۔ بیڈ کے آس پاس ڈاکٹر اور اسکا سٹاف اپنی سی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ مشین میں سے عجیب وغریب سگنل جیسی آوازیں گویا الوداعی دھن کا تاثر دے رہی تھیں بالآخر آکسیجن ماسک اتار دیا گیا میں نے دیکھا نرمین بستر پر بے حس وحرکت پڑی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ مسیحا ہار چکا تھا اور نرمین اپنی جیت پر مسرور تھی!

زندگی سے مایوس لوگ اگر اس وقت نرمین کو دیکھ لیتے تو اتنی خوبصورت موت کو گلے لگانے میں ذرا تاخیر سے کام نہ لیتے۔

نرس نے نرمین کی آنکھیں بند کیں تو ایک دم مجھے یوں لگا جیسے ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہو، میری ٹانگوں سے جیسے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔ میں بڑی مشکل سے دروازہ کھول کر دیوار کے سہارے واپس کرسی پر جا بیٹھا، میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا میں نا جانے کتنا وقت اپنی بدنصیبی پر روتا رہا، اپنی حسرتوں کا ماتم اور ادھوری محبت پر غش کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گیا!

❁❁﴾حصہ دوئم﴿❁❁

محبت، خزاں اور شام

ہیلپ کیفے کا آغاز شہر کے چند تعلیم یافتہ وہیل چیئرز پر بیٹھے نوجوانوں نے اس وقت کیا جب ایک مقامی ریستورانت کے مالک نے انکی وہیل چیئرز کو دروازے سے باہر یہ کہہ کر روک دے تھا کہ ''معذرت کے ساتھ، وہیل چیئرز کو آپ اندر نہیں لاسکتے''۔ یہ بات انہیں یوں محسوس ہوئی جیسے اس نے یہ کہا ہو کہ'' sorry, dogs are not allowed ''۔۔غم وغصہ کے شکار نوجوانوں نے کسی دوسرے ریستورانت کا رُخ کرنے کی بجائے شہر کی خوبصورت ٹھنڈی شاہراہ کے کنارے ایستادہ گھنے چنار کے درختوں میں سے ایک درخت کا انتخاب کرتے ہوئے اس کے سائے میں شام تلے اپنی محفل جمانا شروع کر دی۔اس محفل میں نوجوان اردگرد سے بے نیاز اپنی باتوں میں مگن ،زمانے بھر کے قصے، لطیفے، یاداشتیں ایک دوسرے [illegible]ش گزار کرتے ،قہقہے لگاتے تو کبھی بے حد سنجیدگی سے شاعری افسانہ ناول پر گرما گرم بحث شروع کر دیتے ،کبھی ایک کی آنکھیں گردشِ حالات کی وجہ سے نم ہونے لگتیں تو باقی اسے ہنسا ہنسا مارتے ،کبھی خاموشی کے گہرے وقفے ،کبھی کوئی مسئلہ کوئی الجھن پوری سہانی شام کے حسن کو نگل جاتی اور کبھی معمولی سی خوشی ایک شام کے ہاتھوں سے پھسل کر اگلی کئی شاموں کے ہاتھوں میں اچھلتی پھرتی۔۔دور سے گزرتے راگیر اور گاڑیوں سے جھانکتی نظریں انھیں ایسے دیکھتیں جیسے بچے دیو مالائی کہانیوں کی کتاب میں پہلی مرتبہ غیر مرئی مخلوق کی تصاویر دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔۔وہیل چیئرز پر بیٹھی اس انسان نما مخلوق کی تمام عادات وسکنات، جذبات عام انسانوں جیسے ہی

تھے اس کے باوجود نہ جانے کیوں ریستورانت کے مالک نے انہیں اندر آنے سے روک دیا تھا۔۔یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کسی نے خواب میں آ کر یہ بات بتائی ہو کہ 'وہیل چیئرز پر بیٹھے معذور لوگ انسان نہیں بلکہ Aliens ہوتے ہیں، ذرا ان سے بچ کے رہنا کہیں انہیں دیکھ کر تمھارے سارے گاہک بھاگ نہ کھڑے ہوں' اور ریستورانت کا مالک سچ مچ ڈر گیا ہو ۔۔لیکن ریستورانت کے مالک کے منفی رویئے نے نوجوانوں میں مایوسی کی بجائے مثبت سوچ کو جنم دیا اور یوں چنار کے درخت تلے قائم اپنی نوعیت کی منفرد محفل ایک دن 'ہیلپ کیفے'' کے نام سے ایک عمارت میں منتقل ہوگئی۔۔جہاں شہر کے تمام افراد باہم معذوری اور دیگر انسان دوست لوگ شام کو اکھٹے ہوتے، اپنے خیالات کا اظہار، تخلیقات کا پرچار کرتے اور درپیش مشکلات کا دیگر ساتھیوں سے حل طلب کرتے۔کیفے کے اندر اک عبارت جلی حروف میں تحریر تھی ''تمام انسان کمزور ہیں اور ہر کمزور انسان دوسرے انسان کے تعاون سے ہی زندگی گزارتا ہے، ہم اسی کو معاشرہ کہتے ہیں''

ویرا بھی اسی کیفے کی ایک فعال ممبر تھی!

شہر کوئٹہ میں موسم خزاں اترا ہوا تھا!

کوہِ مہردر کے ماتھے پر ثبت ڈھلتے سورج کا آخری بوسہ رات کی گھنیری زلفوں تلے چھپ چکا تھا۔کہیں سے ہوا کا تیز خنک جھونکا بار بار آ کر درختوں پر لرزتے ہوئے زرد پتوں کو ٹہنیوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر آوارہ کر دیتا۔خلاف معمول سڑکوں پر ہجوم کم تھا۔رات کے وقت زرغون روڈ کی رونق ماند پڑی ہوئی تھی اسمبلی ہال اور ہائی کورٹ کی پرشکوہ عمارتیں اس وقت جنات کے مسکن نظر آ رہی تھیں سرینا ہوٹل کی خوبصورت مٹیالی عمارت کے عقب سے پت جھڑ کا اداس چاند نکلا ہوا تھا دورویہ روشن کشادہ سڑک پر اکا دکا گاڑیاں آ جا رہی تھی پوسٹ آفس کی عمارت کے سامنے آسمان کی طرف نکلے ہوئے چیڑ کے درخت خنک ہوا میں

بازو لپیٹے ہوئے کھڑے تھے گورنر ہاؤس سے لیکر سریاب پھاٹک تک سارا دن ٹریفک کا بے ہنگم شور رہتا لیکن اس وقت رات کی ٹھنڈی چادر اوڑھے خاموش سڑک تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے راگیروں کو نیند کی ماری آنکھوں سے تکتے ہوئے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔

خزاں کا کوئٹہ شہر سے بہت پراسرار تعلق ہے۔۔وسط اکتوبر سے نومبر کے آخر تک شہر کی فضاؤں پر خزاں کا سحر طاری رہتا ہے۔۔قبائلی خانہ بدوش اسی موسم میں وادی کوئٹہ سے خیمے اکھاڑ کر اپنے مال

مویشوں کے ساتھ گرم علاقوں کی طرف کوچ کر جاتے ہیں اور یہ سلسلہ صدیوں سے جاری و ساری ہے۔۔سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی ریلوے اسٹیشن، پی آئی اے اور بس اڈوں کے بکنگ آفس میں لوگوں کا بے تحاشا رش دیکھنے میں آتا ہے، خانہ بدوشوں کی طرح شہریوں کی کثیر تعداد بھی اس موسم میں کوئٹہ شہر سے بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔۔سرما کے اوائل میں شہر کے تمام سکول کالجز اور یونیورسٹیوں میں تالے لگ جاتے ہیں ۔۔سرکاری و نیم سرکاری دفاتر میں ملازمین چھٹی کے درخواستیں جمع کروا چکے ہوتے ہیں۔۔ بازاروں میں فارغ دکاندار اپنے سرد کاروبار دیکھ کر قہوے اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔سردیوں سے نفرت کرنے والوں، برفیلی ہوا کے شور سے ڈرنے والوں، ان دیکھے حوادث کا وہم پالنے والوں کے لئے اچھا ہے کہ وہ کوئٹہ شہر کی پراسرار وادی سے دور سندھ پنجاب کے گرم میدانی علاقوں میں رہنے والے اپنے پیاروں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو کر یہ بھول جائیں کہ کوہ چلتن کے اس پار رہنے والی پانچ سو سالہ ضعیف جادوگرنی وادی کوئٹہ کو برف کی سفید چادر تلے ڈھانپ کر یخ برفیلی ہوا میں شور مچاتی ہوئی سنسان سڑکوں اور بازاروں میں اپنے سفید بال کھولے گھوم رہی ہے۔شاید کچھ لوگ ایسا گمان رکھتے ہیں۔۔لیکن کوئٹہ کی خزاں ان لوگوں کیلئے پراسرار ہے جو یہیں رہ جاتے

ہیں۔۔۔انہیں سرما کی آمد تک عجیب سے چپ لگی رہتی ہے وہ بات تو کرتے ہیں لیکن اپنے اختیار سے نہیں کرتے، مریض شفاء نہیں پاتے، ٹریفک کا بے ہنگم شور تھم سا جاتا ہے، دور کسی ڈھول کے بجنے کی آوازیں یوں محسوس ہوتی ہے گویا پڑوس میں بج رہا ہو۔

دراصل خزاں موسم گرما اور سرما کے بیچ میں ٹھہرے ہوئے وقت کا نام ہے۔۔اسی جامد وقت میں سارے مناظر 1935ء کے زلزلے سے پہلے والے کوئٹہ شہر میں تبدیل دکھائی دیتے ہیں بالکل ویسے مناظر جیسے ہر سال 31 مئی کے اخبارات میں انگریز دور کے خوبصورت صاف ستھرے شہر کوئٹہ (منی لندن) کی تصاویر چھپتی ہیں۔

اس موسم میں انسان اپنے اختیارات سے باہر ہوتا ہے کسی نادیدہ قوت کے خوف سے لوگ یہاں سے بھاگتے ہیں۔۔خزاں میں اختیار صرف اور صرف شاداب درختوں کے سبز پتوں کے پاس ہوتا ہے جو سبز رنگ سے زرد ہونے تک اپنی مرضی سے کہیں رنگوں میں بدلتے ہیں!

کوہ مہردر کے دامن سے اگر خزاں میں لپٹے کوئٹہ شہر کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ سارا شہر کسی سوگ میں مبتلا ہے۔۔جوں جوں شہر کا نظارا گہرا ہوتا جاتا ہے خزاں اپنے جسم پر خنکی کی چادر تان لیتی ہے ۔۔وہی لوگ جو موسم گرما میں رات گئے تک دکانیں سجائے بیٹھے رہتے خزاں میں اندھیرا چھاتے ہی سرپٹ گھروں کی جانب بھاگتے ہیں جیسے یک دم کسی نادیدہ قوت نے دیر تک بازاروں رہنے کا اختیار چھین لیا ہو۔۔عورتوں کی چھٹی حس بھی اسی موسم میں انتہائی تیز ہو جاتی ہے جب مرد شانوں پر چادر اوڑھ کر احباب کے ساتھ گھروں سے ہوٹل، سینیما یا کسی اور ''پناہ گاہ'' کا رخ کرتے ہیں یا خزاں کے جامد وقت اور بے اختیاری کے عالم میں کسی محبوب چہرے، فریب دیتی آنکھوں میں قربت کی گھڑیاں گزار کر واپس گھروں کو لوٹتے ہیں تو دہلیز پر قدم رکھنے کی آہٹ کے ساتھ ہی ان کی بیویوں کی چھٹی حس

خطرے کا آلارم بجاتی ہے لیکن مشرقی عورت سے خزاں کی بے اختیاری سے بہت پہلے ہر اختیار چھین لیا گیا تھا اور خاص کر شہر کوئٹہ کے عورت جو کہ قبائلی نظام میں رائج رسم و رواج کی پاسدار ہے، باحیا اور اپنی زینت کو ڈھانپ کر رکھتی ہے اس میں بڑے جدید شہروں والی عورت سی تیزی نہیں ہوتی شاید قدرت کا یہ نقطہ اسے بچپن میں ہی سمجھا دیا جاتا ہے کہ چادر و چار دیواری ہی عورت کا اصل زیور ہے، قانون قدرت کے خلاف جا کر وہ کسی صورت بھی مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس کی عزت و ناموس کی ضمانت حد میں رہ کر زندگی بسر کرنے میں ہی ہے اور اسی حد میں رہتے ہوئے ویرا نے ماجد کی منہ پر زوردار طمانچہ مارا اور اسکی گاڑی سے اتر کر ٹیکسی میں بیٹھی تھی۔

☆☆☆

9 نومبر یومِ اقبال تھا۔ ویرا نے اپنے مقابل بیٹھی ہوئی سہیلی میمونہ کو احتیاط سے چائے کی چسکی لیتے دیکھا۔ میمونہ کی قوتِ بینائی سے محروم بھوری آنکھیں کیفے کی کھڑکی سے داخل ہونے والی نومبر کی سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ ویرا چائے کا کپ ہاتھ میں اٹھائے کھڑکی کے کانچ سے باہر چاروں طرف پھیلی روپہلی دھوپ کو دیکھنے لگی۔ ایک فوجی ہیلی کاپٹر نیلے کھلے آسمان پر نیچی پرواز کرتا ہوا اپنی منزل کی جانب روانہ تھا۔ ایک کوّا اونچے صنوبر کے درخت اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر کی گڑگڑ کے ساتھ ہی کائیں کرتا اڑ گیا۔ سارا منظر پرکشش تھا لیکن ویرا اداس تھی۔ اسلام آباد سے واپسی کے دو ہفتے بعد آج دوسرا روز تھا کہ ویرا صبح گیارہ بجے کیفے میں آ کر بیٹھ جاتی حالانکہ اسلام آباد جانے سے پہلے وہ ہمیشہ شام کو کیفے کا رخ کرتی تھی۔

میمونہ نے چائے کی آخری چسکی لینے کے بعد دونوں ہاتھوں کی مدد سے احتیاط کے ساتھ کپ طشتری میں رکھا اور ٹشو پیپر ہونٹوں کے حاشیوں پر پھیرتے ہوئے ویرا سے

مخاطب ہوئی "تم جب سے اسلام آباد سے لوٹ کر آئی ہو بہت چپ چپ رہنے لگی ہو۔ سب ٹھیک تو ہے نا"

ویرا نے یوں میمونہ کی طرف چونک کر دیکھا جیسے اس نے کہا ہو کہ 'تم جب سے اسلام آباد میں لُٹ کر آئی ہو۔۔۔'

ویرا کو دل میں ٹیس سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے اپنی اداسی سے چھٹکارا چاہیے تھا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر بڑی مشکل سے لب کھولے "میمونہ ایک بات بتاؤ۔ کیا واقعی محبت اس روئے زمین پر ناپید ہو چکی ہے"۔

میمونہ نے ویرا کا میز پر دھرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے تشویش سے پوچھا "ویرا، کیا بات ہے، مجھے سب ٹھیک نہیں لگ رہا"

ویرا نے جواباً اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے "نہیں" کہا اور ساتھ ہی کیفے کا جائزہ لینے کے لیئے ادھر اُدھر یوں آنکھوں کو حرکت دی جیسے ان میں بننے والے آنسوؤں کے قطروں کو منتشر کرنے کی کوشش کی ہو تاکہ وہ باہر آ کر شور نہ مچا دیں۔ ویرا کی نگاہیں اب دوبارہ میمونہ کے چہرہ پر مرکوز تھیں لیکن اسے اچانک سے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا اسکا ذہن کیفے میں کہیں اٹک چکا تھا جیسے وال کلاک کی بیٹری کا چارج ختم ہو جانے کے بعد اسکی سیکنڈ والی سوئی ایک جگہ اٹک جاتی ہے۔ ایک بے نام سی الجھن نے اسے گھیر لیا تھا۔

"ویرا" میمونہ نے اسے مخاطب کیا "خدا کے لیئے چپ نہ رہو، مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے"

ویرا اس عجیب سی الجھن کو نظر انداز کرتے ہوئے میمونہ کو اپنی اور ماجد کی کہانی سنانے لگی اور جونہی کہانی محبت کی حدود سے نکل کر ہوس کی سرحد میں داخل ہوئی ویرا کی آواز گلے میں رندھنے لگی۔ میمونہ کی بے نور آنکھوں سے اشک چیختے چلاتے اسکے گالوں پر دوڑ آئے۔ کہانی

کے اختتام تک ویرا کا ضبط بھی جواب دے چکا تھا۔ سارا شہر چمکیلی دھوپ میں ڈوبا ہوا تھا جبکہ کیفے کے اندر زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔ دونوں کے ہاتھ میں ٹشو پیپر لرز رہا تھا۔

''میمونہ'' ویرا کی آواز سسکیوں میں لرزاں تھی ''کیا ہم جیسے لوگوں کا محبت پر کوئی حق نہیں ہوتا''

میمونہ اپنی نشست سے اٹھ کر میز کو ٹٹولتی ہوئی ویرا کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی اور حوا کی دونوں بیٹیاں ہچکیاں لیتی ہوئیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئیں!

''میرا نام ارمان ہے'' دونوں اس آواز پر چونک اٹھیں۔ ویرا کو یوں آواز سنائی دی جیسے اسکی سماعت بحال ہو گئی ہو۔ ارمان اس نشست پر براجمان تھا جہاں پہلے میمونہ بیٹھی ہو تھی۔ ویرا نے نم آنکھوں سے کیفے کا جائزہ لیا کیفے میں ان تینوں کے علاوہ ایک اور ممبر اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا اخبار کے مطالعہ میں غرق تھا جبکہ دور کینٹین کی کھڑکی میں دائیں بازو سے محروم حلیم خان اپنے قوتِ سماعت سے محروم معاون کے ساتھ اشاروں کی زبان میں گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ دونوں آدم کے بیٹے ایک ہی کیفے تلے ہوتے ہوئے حوا کی بیٹیوں کے دکھ سے بے خبر تھے۔

کیفے کی دیوار پر نصب گھڑیال سے دن کے بارہ بجنے کا با آوازِ بلند اعلان ہوا

''میں آپ کی تمام کہانی سن چکا ہوں جس کے لیئے میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں'' ویرا کی گیلی پلکیں ارمان کے لبوں پر مرکوز تھیں

''آپ کون ہیں، ہم آپ کو نہیں جانتے'' میمونہ نے اسے قدرے غصے سے مخاطب کیا ''اور آپ نے یہاں بیٹھنے کی اجازت بھی طلب نہیں کی، یہ آداب کے خلاف ہے''

''میں پہلے ہی معذرت کر چکا ہوں'' ارمان نے نرم آواز میں جواب دیا ''آپ مجھے غلط نہ سمجھیں میں تو اس دکھ کے ناطے سے یہاں چلا آیا جو کسی نہ کسی حوالے سے ہم تینوں کا

مشترک دکھ ہے"

ویرا ابھی تک اجنبی کے چہرہ پر نگاہ جمائے خاموش بیٹھی تھی

"بہر حال اب آپ جبکہ سب کچھ بنا اجازت سن چکے ہیں تو مہربانی فرما کر ہمیں مزید پریشان نہ کریں" میمونہ نے اپنی سرخ آنکھوں کو بنا جھپکائے دوٹوک انداز میں کہا

"میں آپ کی دوست سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اگر۔۔"

ویرا اچانک میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی "میرا خیال ہے اب ہمیں گھر چلنا چاہیئے" ویرا نے بڑی دیر بعد لب کھولے اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے میمونہ کا ہاتھ تھام کر کینٹین کی کھڑکی پر چائے کا بل ادا کرتے ہوئے کیفے سے باہر نکل گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں گھس گئی۔ ہینڈ بیگ کو میز پر پھینک کر خود بیڈ پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اسکا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا چند لمحوں بعد وہ آنکھیں موند کر چت لیٹ گئی۔

"میرا نام ارمان ہے، کیا میں ویرا سے مل سکتا ہوں" ویرا کے آلہ ء سماعت میں جیسے کسی نے سرگوشی کی ہو۔ اس نے فوراً اپنے آلہ ء سماعت کو چھو کر دیکھا، اسے کان سے اتار کر تکیئے پر اچھال کر ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد اسکے کمرے کا دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ وہ اپنے دونوں کان ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے اٹھی اور دروازہ کھولتے ہی ملازمہ کو سامنے پا کر اس پر برس پڑی "یہ دستک دینے کا کون سا طریقہ ہے؟"

ملازمہ حیران و پریشان اسے ہاتھوں سے کان ڈھانپے دیکھ کر بولی "بے بی، میں نے تو بہت آہستہ دستک دی تھی"

آلہ سماعت کے بنا بھی ویرا کو ملازمہ کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی

''بے بی آپ سے کوئی ارمان نام کا نوجوان ملنا چاہ رہا ہے۔اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔'' ملازمہ نے دروازہ پر دستک کی وجہ بیان کی

ویرا کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسکے ساتھ کیا ہورہا ہے، کیا واقعی اسکی سماعت لوٹ آئی ہے؟ بے اختیار اسکے قدم آہستہ آہستہ مین گیٹ کی جانب اٹھنے لگے۔

ملازمہ باورچی خانے کی جانب چل دی۔

جوں جوں وہ مین گیٹ کی جانب بڑھتی چلی گئی اسکے ذہن میں بپا شور کم ہوتا چلا گیا۔ویرا نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

سفید قمیض اور نیلی جینز میں ملبوس، ہلکے گندمی رنگت کا نوجوان، جسکی عمر چھبیس، ستائیس سال کے لگ بھگ تھی اپنے ترتیب سے بنائے ہوئے قدرے لمبے سیاہ بالوں کے ساتھ ہونٹوں پر مسکان اور آنکھوں میں ایک خاص چمک لیئے پیروں میں سفید کینوس کے جوتے پہنے کھڑا تھا۔اس نے اپنے بائیں بازو کی آستین ہاتھ سے اوپر چڑھا رکھی تھی جس پر ایک خوبصورت رومال انتہائی سلیقے سے کلائی پر بندھا ہوا تھا۔رومال میں نیلا، سبز اور میرون رنگ نمایاں تھے جبکہ دائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی تھی جس میں نیلم جڑا ہوا تھا۔

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' ارمان نے ویرا کی حیران وگم صم آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اجازت طلب کی ویرا چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی اور پھر بنا کچھ کہے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ارمان بے تکلفی سے اندر داخل ہوگیا۔ویرا نے ابھی دروازہ بند کیا دوسرے ہی لمحہ اس پر دستک ہوئی۔اس نے فوراً دروازہ کھولا تو سامنے ایک بوڑھا فقیر ہاتھ میں کشکول لیئے صدا لگا رہا تھا ''خدا تیری الجھنیں دور کرے بیٹی، بنامِ خدا کچھ دیدے''۔ویرا نے ناگواری سے ''معاف کرو بابا'' کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔لیکن

اسے عجیب سا محسوس ہونے لگا جیسے۔۔۔جیسے۔۔۔او میرے خدایا، ویرا کے وجود میں اپنی ہی آواز گونجی "وہ فقیر نہیں تھا بلکہ پروفیسر جادوگر تھا"۔۔۔ویرا نے ارمان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر عجلت میں دروازہ کھولا لیکن وہاں کوئی موجود نہ تھا اس نے گلی میں جا کر دائیں بائیں نگاہیں دوڑائیں لیکن ساری گلی سنسان پڑی تھی۔

ویرا گھر میں داخل ہوئی تو پریشانی اسکے چہرہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ ملازمہ ارمان کے عقب میں کھڑی

اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ارمان کی طرف دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے ملازمہ کو مخاطب کیا "مائی تم جاؤ، میں ٹھیک ہوں" ملازمہ ارمان کو مشکوک نظروں سے دیکھتی ہوئی اندر باورچی کی جانب روانہ ہوگئی۔

"کون ہو تم" ویرا ارمان کے روبرو کھڑی تھی اسکی آنکھوں میں خوف اور حیرانگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ کر کچھ دیر کے لیئے بات کر سکتے ہیں" ارمان نے برآمدے میں پڑے کین کے صوفوں کی جانب اشارہ کیا تو ویرا نے نگاہیں اسکے چہرہ سے چھڑاتے ہوئے صوفوں کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے اسے ابھی ابھی معلوم ہوا ہو کہ اس کے گھر میں کین کے صوفے بھی برآمدے میں موجود ہیں۔۔۔ارمان ویرا کے پیچھے چلتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا دونوں ایک دوسرے سے فاصلے پر اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ فضا میں عجیب و غریب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آنگن میں دھوپ کا چمکیلا فرش بچھا ہوا تھا جسکی میٹھی میٹھی حدت ہوا کے نرم نرم جھونکوں کے ساتھ برآمدے میں دوڑی چلی آتی۔

ویرا کی نگاہ ارمان کے ہونٹوں پر مرکوز تھی جبکہ ارمان آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا

"میں تمھارے جواب کی منتظر ہوں۔۔۔کون ہو تم" ویرا نے سوال دہرایا

ارمان نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنی پلکوں کو اٹھاتے ہوئے نہایت ہی اداس لہجہ میں گویا ہوا "ویرا، میں تمھارا ہمجان ہوں"

ویرا کے دل کی دھڑکن تیز اور جسم برف ہو گیا۔

"تم نے مجھے چار منزلہ عمارت سے فٹ پاتھ پر زرد روشنی تلے کھڑا دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔"

"لیکن وہ تو۔۔۔"

"ہاں میں جانتا ہوں" ارمان نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا

ویرا کے ہونٹ سل چکے تھے۔ وہ بے حس و حرکت کسی مجسمہ کی طرح اسکے سامنے بیٹھی ہوئی تھی

"ویرا" ارمان نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری مختصر سی کہانی سنو"

ویرا نے کوئی جواب نہ دیا

اس نے اطمینان سے کچھ سوچتے ہوئے اپنی کہانی کا آغاز کیا "بازار میں میری بکس شاپ تھی۔۔ وہاں بیٹھ کر میں فارغ اوقات میں اکثر علمِ فلکیات و علمِ نجوم کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھا کرتا اور رفتہ رفتہ میرا شوق جنون میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔۔ اور پھر ایک دن سفید داڑھی والا ادھیڑ عمر آدمی میری دکان میں آیا۔ اسے پامسٹری کی کوئی کتاب درکار تھی جو کہ میری دکان میں دستیاب نہ تھی لیکن وہ کافی دیر تک علمِ مابعد الطبیعات کی کتب کو باری باری کھول کر ان کے صفحات الٹ پلٹ کرتا رہا اور جب وہ اکتا کر دکان سے باہر جانے لگا تو مجھے اپنے ہم ذوق سے بات کرنے کو جی چڑایا۔۔ بس یہی مجھ سے سنگین غلطی سرزد ہو گئی" وہ سر کو پشیمانی سے ہلانے لگا

''میں نے اسے چائے کے بہانے روک کر کرسی پیش کی۔وہ سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ہم کافی دیر تک علمِ فلکیات و نجوم پر بات کرتے رہے۔اس نے مجھے مابعدالطبعیات کی ایسی ایسی باتیں بتائیں کہ میں وہیں بیٹھے بیٹھے اسکا مرید ہوگیا۔جب وہ مجھ سے رخصت لے کر جانے لگا تو پتہ نہیں کیوں میرے دماغ میں ایسے ہی اک سوال کوندآیااور میں اس سے پوچھ بیٹھا کہ اگر میں اپنے ہمجان سے ملنا چاہوں تو کب، کہاں اور کیسے مل سکتا ہوں؟۔۔اس نے بارہا کہا کہ بہتر ہے میں اس سے یہ سوال نہ پوچھوں لیکن میں بضد رہا۔۔۔

اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد کہا کہ 'جس روز تمھارا جوتا راہ چلتے ہوئے ٹوٹ جائیگا اسی روز تمھاری ہمجان تمھیں اشارہ کریگی''!

''اس کا نام عبدالعلیم تھا'' ویرا نے پہلی مرتبہ اپنے لب کھولے

''ہاں''

''اور وہ انڈیا کی کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے''

''ہاں'' ارمان نے اپنی بات جاری رکھی ''لیکن عبدالعلیم نے ایک اضافی بات یہ ضرور کی تھی جس کی اس وقت مجھے بالکل سمجھ نہ آئی''

ویرا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا

'اس نے کہا تھا کیا تمیں راز کی بات بتاؤں ۔۔جن لوگوں کی محبتیں کامیاب نہیں ہو پاتی اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہوتی کہ ان کے ہمجان مر چکے ہوتے ہیں بلکہ وہ لوگ محبت سے ہار مان لیتے ہیں۔۔۔بھلا محبت سے بھی کوئی ہار مانتا ہے''

اب ویرا کی آنکھوں میں خوف اتر آیا

ارمان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا ''میں بھی مر چکا ہوں''

ویرا کا چہرا ایک دم زرد ہو گیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان کھینچ لی ہو وہ چیخنا

چاہے بھی تو نہیں چیخ سکتی وہ اٹھ کے بھاگنا چاہے بھی تو ٹانگیں گویا مفلوج ہو چکی تھیں

''گھبراؤ مت ویرا'' ارمان نے اسے نرم لہجے میں مخاطب کیا ''تمھیں میری وجہ سے پہلے ہی بہت دکھوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، نہ تم اٹھتیں پروفیسر سے اپنے ہمجان کے بارے میں سوال پوچھتا اور نہ ہی تم کو معلوم ہوتا کہ بیچ سڑک کے مرنے والا تمھارا ہمجان تھا''

''اب تم کیا چاہتے ہو'' ویرا کے حلق سے خوف سے لرزتی آواز نکلی

''بس دو روز کے لیئے تمھارا ساتھ''

''کیوں''

''یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا'' ارمان نے آسمان کی جانب نگاہ کرتے ہوئے کہا

ویرا پر خوف طاری تھا کہ وہ ایک مردہ انسان کے پاس بیٹھی ہم کلام ہے

''اب مجھے اجازت دو'' ارمان اپنی نشست سے اٹھا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا ''ہم کل شام پھر ملیں گے''

''نہیں'' ویرا کی نگاہیں اوپر اٹھیں ہوئیں تھیں

ارمان اسکے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اسکی آنکھوں میں چند لمحے دیکھنے کے بعد بولا ''ہم کل شام ہنہ جھیل جائیں گے''

ویرا نے آہستہ سے اپنی آنکھیں موند کر اسکی بات دہرائی اور دہراتی چلی گئی ''ہم کل شام ہنہ جھیل جائیں گے''۔۔۔ ارمان مسکرا دیا۔ چند لمحوں بعد یخ ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا جس سے اس کی آنکھیں خود بہ خود کھل گئی۔۔ اس نے اپنے اردگرد یوں دیکھا جیسے

ابھی ہوش میں آئی ہو۔۔۔ارمان جا چکا تھا۔

آنکھوں کے پردوں پر ایک لمحے کیلئے پروفیسر جادوگر کا مسکراتا ہوا چہرہ نمودار ہوا اور غائب ہو گیا۔۔۔وہ پہلی بار پروفیسر کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی!

☆☆☆
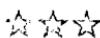
کوئٹہ شہر سے ہنہ وادی کا فاصلہ 20 کلومیٹر ہے!

اس کے بعد وادی اوڑک کی حدود شروع ہو جاتی ہے۔ ہنہ کے مقام پر ایک خوبصورت جھیل ہے جو "ہنہ جھیل" کے نام سے مشہور ہے۔ جھیل کا پانی سبزی مائل نیلا ہے۔ جس میں سنہری مچھلیاں بہ کثرت پائی جاتی ہے۔۔۔موسم گرما میں اس کے کناروں پر سائبیریا سے چھٹیاں گزارنے کیلئے آنے والے آبی پرندے اس کے ماحول کو اور دل کش بنا دیتے ہیں۔۔۔ بالعموم کوئٹہ شہر اور بالخصوص پاکستان بھر سے آنے والے لوگ اس خوبصورت جھیل کو اپنے غم تھکن، الجھنیں دے کر بدلے میں قہقہے مسکراہٹیں اور رقص و سرور کی کیفیات لے کر واپس لوٹتے ہیں۔۔۔جھیل کے پس منظر میں خشک خاکستری پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔۔۔جھیل کا وہ حصہ جہاں پانی بہت گہرا ہے اس جگہ اریگیشن ڈیم کسی فوجی قلعہ کی مانند کھڑا ہے۔۔۔جھیل کے مضافات میں اس کو مزید خوبصورت بنانے میں مرک مارکر کے تعاون سے شجر کاری کی گئی ہے۔۔۔حیات درانی واٹر اسپورٹس اکیڈمی بلوچستان کا واحد ادارہ ہے جہاں سے لوگ ہنہ جھیل میں کشتی رانی کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔۔۔کوئٹہ کنٹونمنٹ سے ہنہ جھیل کی طرف جانے والے سڑک کے بائیں جانب شفاف پانی سال کے 12 مہینہ بہتا ہے جس کے کنارے لوگ گاڑیاں، موٹر سائیکلز اور رکشے کھڑے کر کے انہیں نہلاتے دکھائی دیتے ہیں، کچھ لوگ اس ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈالے خوش گپیوں میں مصروف غم زمانہ کا مذاق اڑاتے ملتے ہیں۔۔۔اطراف میں چائے کے متعدد چائے کے ہوٹلز ہیں جن کے چھوٹے چھوٹے

باغیچوں میں شام کے وقت شہر کی گھٹی ہوئی فضا سے فرار حاصل کر کے لوگ دوستوں یاروں کے ساتھ یہاں آتے ہیں اور لڈو بازی کے ساتھ چائے اور قہوے سے لطف اندوز ہو کر واپس گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

اونچے سنگلاخ پہاڑوں پر منچلے نوجوان گاڑیوں اور موٹر سائیکلز کی دوڑیں لگاتے ہوئے اور کوہ پیمائی کے شوقین دیو مالائی پہاڑوں کی چٹانوں میں رینگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔ جمعہ اور اتوار کے دنوں میں اس مقام پر بے حد رش ہوتا ہے، جمعہ کے دن کاروباری حضرات بازاروں کو تالے لگا کر اس طرف کا رخ کرتے ہیں جبکہ اتوار کے دن سرکاری و نجی اداروں کے ملازمین اپنے خاندانوں کے ساتھ ایک بڑی تعداد میں یہاں تفریح کے غرض سے آتے ہیں۔۔ یہ کوئٹہ کے باسیوں کا ایک بہترین پکنک پوائنٹ ہے۔۔ ہنہ جھیل کے بالکل وسط میں ایک بے حد خوبصورت چھوٹا سا جزیرہ ہے جس نے جھیل کے حسن کو چار چاند لگا رکھا ہے۔ برف باری کے موسم میں اس کے دلربا منظر کو بیان کرنا ممکنات میں سے ہے۔ نگاہوں کو فردوس بریں کا گمان ہوتا ہے۔

شام کے 4 بج رہے تھے۔

شاہرہ گلستان پر ڈیری فارم مسجد سے لیکر آخری موڑ تک خزاں اپنے تمام رنگوں کے ساتھ بال کھولے شام کی گلابی روشنی میں مدہوش پڑی تھی۔۔ شاہراہ گلستان کے دائیں بائیں جانب فوجی کرنیلوں اور بریگیڈیرز کے خوبصورت بنگلیں ہیں۔ بائیں جانب کے بنگلوں کے باہر شاہراہ کے ساتھ حسین باغیچوں کی قطار ہے جن میں سبز گھاس کی چادر پر خزاں کی زردی غالب آنے کو بیقرار تھی جبکہ دائیں جانب کے بنگلوں کے آگے شاہراہ سے ہٹ کر گھنے درختوں تلے کوئٹہ شہر کا سب سے دلکش و دل فریب رومانوی فٹ پاتھ ہے!

ویرا اور ارمان اسی فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ

تھے۔ان کے قدموں تلے انمول قدیم پیڑوں کے طلائی اوراق بچھے ہوئے تھے۔سرد ہوا مٹی کی خوشبو کے بوسوں سے لدی ہوئی تھی۔فضا میں ایک جادو سا تھا جو کہ زخمی روحوں کی مسیحائی میں مشغول تھا۔

"اگر ہمارے چلنے کی رفتار یہی رہی تو ہم کل شام تک ہی جھیل پہنچ سکیں گے" ویرا نے چنار کے اس پیڑ کے پاس پہنچ کر ارمان کو مخاطب کیا جہاں میناؤں کا بے تحاشا شور تھا۔

ارمان نے مسکرا کر ویرا کی طرف دیکھا

"کیا واقعی گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ وقت بھی گزرتا رہتا ہے" ارمان نے چند لمحے کھڑے ہو کر اوپر درخت کی نیم برہنہ شاخوں کی طرف دیکھا

"مجھے نہیں معلوم۔لیکن میری بات کا اس سوال سے کیا تعلق"

"تعلق تو شاید کوئی نہیں، ویسے ہی"

"ٹائم پاس کرنا چاہ رہے ہو"

چند لمحوں کی خاموشی کی بعد ارمان گویا ہوا "دراصل جب ہم اپنی منزل کی جانب روانہ ہوتے ہے تو اس وقت ننانوے فیصد لوگوں کا دھیان دھیرے دھیرے منزل سے ہٹ کر وقت کی ٹک ٹک پر مرکوز ہو جاتا ہے اور پھر وہ کبھی بھی منزل تک نہیں پہنچ پاتے ۔۔جانتی ہوں کیوں؟"

ویرا نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا

"کیونکہ وقت ایک آسیب ہے،عفریت کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ رہتا ہے"

ویرا کو ارمان کی بات بہت عجیب معلوم ہوئی لیکن اس نے اس کا اظہار نہ کیا

"اس لیے تو ہر معاشرے میں چند افراد ہی ایسے ہوتے ہیں جنہیں سب لوگ "کامیاب انسان" کہنے پر متفق ہوتے ہیں کیوں کہ جب وہ منزل کی جانب روانہ ہوتے ہیں

توان کا دھیان کبھی بھی وقت کے حاسد جال میں نہیں پھنستا"

"میں نے تو ہمیشہ یہی سنا ہے کہ انسان کو وقت کی قدر کرنی چاہیئے"

"فضول بات" ارمان نے نفی میں سر ہلایا

"انسان کو ہمیشہ اپنی اور اپنے مقصد کی قدر کرنی چاہیے"

"تو پھر وقت گزارنا کسے کہتے ہیں؟"

"وقت ایک کھلا دھوکہ ہے" ارمان بے حد سنجیدہ ہو گیا اور ویرا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ارمان سے نہیں بلکہ پروفیسر ہلادو گر سے ہم کلام ہے

"سنو ویرا۔ انسان ہمیشہ امید اور انتظار کے وقفے میں زندگی گزارتا ہے۔ اپنے خوابوں ارادوں، مقاصد کو پا لینے کی امید۔۔ اور موت کا انتظار"

سرد ہوا کے جھونکے نے اچانک ڈھیروں طلائی اوراق پیڑوں کی شاخوں سے جدا کر ڈالے۔۔ ویرا نے شہر کر اپنی شال پر چپکے ہوئے خشک پتوں کو سلیقے سے اتارا

"یہ شام کا وقت کل پھر آئیگا۔ شام کے بعد رات اور صبح کے بعد دوبارہ شام۔ ایسی خزاں اگلے برس پھر آئے گی۔ خزاں کے بعد سرما اور گرما کے بعد دوبارہ خزاں۔ یہ طے شدہ عمل ہے۔ لیکن ہم نے بدل جانا ہے بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے میں داخل ہونا ہے واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔ وقت تو ویسے ہی گول گول چکر کاٹ رہا ہے۔ درحقیقت کائنات کا مرکزی کردار تو انسان ہے۔ قدرت ہمیں صرف مواقع فراہم کرتی ہے۔ اور ہم انہیں مواقعوں کو چوبیس گھنٹوں میں تقسیم کر کے خود کو اپنے آقا 'وقت' کا غلام مان لیتے ہیں۔ وہ آقا جسے آج تک کوئی دیکھ سکا ہے اور نہ ہی کوئی چھو سکا ہے!

"کیا تم یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہو کہ وقت کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں"

"آج ہم دونوں اس خوبصورت فوٹ پاتھ پر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے

۔یہ خزاں رسیدہ پتوں کی سرسراہٹ۔شاید یہ ایک نہ بھولنے والی شام ہے لیکن ابھی رات اترے گی اور اس شام کو ماضی کی ایک یادگار شام میں تبدیل کر دیگی پھر صبح ہو گی اور ایک نئے دن کا آغاز ہو جائے گی اور اس اگلے روز کی شام ہرگز ایسی نہ ہو گی۔سب کچھ ایسا نہیں ہو گا ۔کل اس فٹ پاتھ پر ارمان اور ویرا زرد سوکھے پتوں پر نہیں چلیں گے۔آج کے تندرست وتوانا نہ جانے کتنے لوگ کل بسترِ علالت پر ہونگے،نہ جانے کتنے افراد دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہونگے،ہمارا مستقبل ہماری نگاہوں کے سامنے ہم سے چھین لیا جائیگا اور ہم کچھ بھی نہ کر پائیں گے جو لوگ لمحۂ موجود میں زندگی بسر کرتے ہیں انہیں ماضی

اور مستقبل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور جو لوگ ہاتھ میں ہاتھ لیئے ساحل کے گیلی ریت پر دور تک ساتھ چلتے ہوئے بھی بار بار اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہیں ان کیلئے ایسی حسین شامیں کبھی یادگار نہیں بن سکتی۔وہ لمحات ان کے نزدیک محض ''چھ بجکر پندرہ منٹ'' یا ''سات بجکر پینتیس منٹ'' کے علاوہ کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔۔ان کیلئے وقت اہم ہے۔لمحہء موجود کے حسن کو کھا جانے والا وقت!

ویرا کچھ دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئی ''اگر وقت کا وجود نہ ہوتا تو ہمیں کیسے پتا چلتا کہ ہم نے صبح آٹھ بجے کالج پہنچنا ہے۔۔دو بجے والی پوائنٹ پر بیٹھ کر واپس گھروں کو لوٹنا ہے۔ ہماری زندگیوں میں ٹائم ٹیبل نہ ہو تو زندگی درہم برہم ہو کے رہ جائے۔وقت ہماری معمولات زندگی کو منظم کرتا ہے وقت تو سرمایا ہے اس کی ٹھیک جگہ سرمایا کاری کرنے والا ہی نفع کمائے گا اور یہی قدرت کا اصول ہے''

ارمان نے ایک لمبی سانس بھر کر آسامان کی طرف دیکھا''اچھا مجھے تم یہ بتاؤ کہ کل یعنی آنے والے کل میں جب تم صبح اپنے دانت صاف کر رہی ہو گی تو گھڑی میں کیا وقت ہو گا'' ویرا کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی''کل کی کسے خبر۔کل کا چہرہ دیکھنا نصیب

میں ہے بھی یا نہیں''

''مان لو کہ نصیب میں ہے اب بتاؤ''

''یہی کوئی سات سوا سات کا وقت ہوگا''

''نہیں یوں بتاؤ جیسے اس وقت جب تم نے ٹھہر کر اپنی چادر سے خشک پتے اتارے تھے تو گھڑی میں چار بجکر بیس منٹ اور دس سیکنڈ ہو رہے تھے''

''ایسا بتانا تو مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے''

اچھا یہ بتاؤ کہ کل یعنی گزشتہ کل جب میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ میں تمارا ہمجان ہوں تو اس لمحے گھڑی میں وقت کیا شور مچا رہا تھا''

''بالکل کوئی اندازہ نہیں'' ویرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''حالانکہ وہ لمحہ تمارے کیلئے کتنا اہم تھا کہ جب تم پر ایک سربستہ راز افشاں ہوا تھا جس کا تمہاری ذات سے گہرا تعلق ہے''

''اب صرف یہ بتاؤ کہ۔۔۔''

ویرا نے مسکراتے ہوئے کہا ''اب تم بتاؤ۔ میں ہمہ تن گوش ہوں''

''پتہ نہیں ہم نے کیوں وقت کو چوبیس گھنٹوں میں بانٹ کر خود کو ایک مشین کے حوالے کر دیا ہے'' ارمان نے ویرا کی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف اشارہ کیا ''جب کے ہم نے ماضی قریب ماضی بعید سے لیکر آنے والے پل اور مستقبل کے بارے میں کچھ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ فلاں عمل، واقعہ، حادثہ، ہماری زندگی میں کتنے بجکر کتنے منٹ پر ہوا رونما ہوا تھا''

''لیکن ماضی کے ایک حادثے کے بار۔ میں میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ کتنے بجکر کتنے منٹ پر رونما ہوا تھا'' ویرا نے مسکراتی نگاہوں سے ارمان کی طرف دیکھا

ارمان بھی دھیما سا سکرایا جیسے وہ جانتا تھا کہ ویرا کیا کہنے جا رہی تھی

''اکتیس مئی 1935ء میں جب رات کے وقت کوئٹہ شہر زلزلے کی زد میں آ کر ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا تو اس ملبے میں سے ایک گھڑیال برآمد ہوا جس کی سوئیاں تین بجکر دو منٹ پر جامد تھیں''

ارمان نے قہقہہ لگایا ''اور اب ہر سال اکتیس مئی کو پورے کوئٹہ میں افواہ گردش میں رہتی ہے کہ جیسے History Repeat It Self ویسے ہی Earth Quake Also Repeats It Self At The Same Time and Day۔ اور ہوتا کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ ہی ملبے سے گھڑیال ملتا اور نہ ہی ہر سال اکتیس مئی کی شب کوئٹہ کے شہریوں کی نیندیں حرام ہوتی!''

اب کے ویرا نے ہلکا سا قہقہہ فضا میں بلند کیا۔

''میں وقت کے وجود سے انکار نہیں کر رہا لیکن صرف اتنا سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ وقت صرف اور صرف لمحہ موجود کا دوسرا نام ہے جس کا ماضی و مستقبل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا'' ارمان نے سنجیدگی سے کہا ''فجر کی اذان کا گھڑی کی ٹک ٹک سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا ساڑے چودہ سو سال پہلے کا موذن بھی نور کا تڑکا لگتے ہی مومنوں کو بیدار کرنے لگتا اور آج کا موذن بھی یہی کرتا ہے اور اسی طرح مغرب کی اذان غروب آفتاب کی منتظر رہتی ہے''

''تو پھر آخر یہ وقت ہے کیا'' ویرا نے گویا حتمی سوال کیا

''وقت ایک بہلاوا ہے'' ارمان نے تحمل سے جواب دیا ''جب کوئی دوست رشتہ دار آپ کو راستے میں اچانک مل جائے اور وہ یہ کہے کہ اسے آپ کے گھر آنے یا ملاقات کا وقت نہیں ملتا تو درحقیقت وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا لیکن آپ آسانی سے وقت کے فریب میں آ جاتے ہے''

خزاں رسیدہ پتے مستقل دونوں کے پیروں کا طواف کر رہے تھے

"کیا تم یہ بات جانتی ہو ویرا" ارمان کی آنکھوں میں چمک اتر آئی "جب گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگ صبح بیدار ہوتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں شیطان کا چہرہ نظر آتا ہے اور وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ۔ کیا وقت ہوا ہے؟ اور شیطان مسکرا کر کہتا ہے تمہیں کتنا وقت چاہیئے"

ویرا کو یہ بات بہت ہی عجیب لگی

تھوڑی دیر بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے شہر بالکل خالی ہو چکا ہے کافی دیر سے کوئی گاڑی، موٹر سائیکل یا سائیکل سڑک سے نہیں گزری۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فٹ پاتھ دور تک زرد پتوں کا قبرستان بنا ہوا تھا۔ ہوا کافی حد تک سرد ہو چکی تھی۔ ہنہ جھیل اس جگہ سے بہت دور تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ آج کی تاریخ میں اس طرح ٹہلتے ہوئے کیسے جھیل تک پہنچ سکتے ہیں اور جوں ہی اس نے دوبارہ یہ سوال ارمان سے کرنے کا سوچا تو اچانک بہت ہی تیز اور سرد ہوا نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ویرا نے اپنے دونوں بازو اپنے چہرے کے سامنے ڈھال بنا لیئے فضا میں لاتعداد پتے پروانوں کی طرح اڑنے لگے ارمان آنکھیں موند کر ساکت کھڑا تھا ذرا دیر بعد جب ہوا تھم گئی اور ویرا نے آہستہ سے اپنی بازو چہرے کے سامنے سے ہٹا کر نیچے کیئے تو منظر بدل چکا تھا۔

اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی اس وقت ہنہ جھیل کے اس پار کھڑی ہے جہاں جنگی طیارے کا ماڈل نصب ہے۔ دائیں طرف بینچ پر ارمان بیٹھا ہوا تھا اور سامنے خوبصورت نیلی جھیل میں سورج کی کرنیں تیر رہی تھیں۔ وہ حیرت میں گم آہستہ آہستہ بینچ کی طرف بڑھنے لگی جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو!

"گھبراؤ مت ویرا" ارمان نے بنا اس کی طرف دیکھے اسے مخاطب کیا اس کی نگاہیں دور افق میں گڑی ہوئی تھیں "بیٹھ جاؤ"

ویرا چند لمحے اس کے چہرہ کو بغور دیکھنے کے بعد بینچ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گئی۔

موسم خزاں میں جھیل کا رخ بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں اور اس وقت تو جھیل پر پراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اب ویرا سمجھ چکی تھی کہ ارمان نے وقت کا موضوع اس لیئے چھیڑ رکھا تھا کہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو کہ وہ اس وقت ایک روح کے ساتھ سفر کر رہی ہے اور جیسے وہ بچپن سے سنتی آئی تھی کہ روحیں وقت کی قید سے آزاد ہوتی ہیں اور سب کچھ کر سکتی ہے۔ وہ کوہ تِلکوت سے کوہِ زرغون پر منٹوں میں چھلانگ لگا کر پہنچ سکتی ہیں۔ بند دروازے کھولے بغیر اندر داخل ہو سکتی ہیں وغیرہ۔

خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا تو ارمان نے سکوت توڑا "اس وقت تم میرے ساتھ اس بینچ پر بیٹھی ہو یہ لمحہ' موجود تمہاری زندگی کا حقیقت ہے یہ لمحات تمہاری مٹھی میں ہیں اور اسی کو تم وقت کہہ سکتی ہو۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم میرے ساتھ ٹہل رہی تھی لیکن وہ سب یاد کے قبرستان میں دفن ہو چکا ہے۔۔ تمہاری عمر بڑھ چکی ہے، بہت معمولی ہی سہی لیکن بڑھی ضرور ہے اب تمہاری وہ عمر نہیں ہے جو سوکھے پتوں پر ٹہلتے سمے تھی۔۔ وہ عمر تم اپنی گھڑی کے مطابق پانچ منٹ پیچھے چھوڑ آئی ہو۔ اب تمہاری عمر میں پانچ منٹ کا اضافہ ہو چکا ہے اور اضافے کے ساتھ تمہاری سوچ میں بھی پختگی آ چکی ہے"!

جھیل کے اس پار چیڑ کے درختوں تلے کوئی منچلا ریڈیو پر' استاد نصرف فتح علی خان' کی قوالی سن رہا تھا' یہ جو ہلکا ہلکا سرور ہے۔۔۔'

قوالی کے بول ہوا کے جھونکوں کے ساتھ پانی پر رقص کرتے ہوئے چند لمحوں کیلیئے اس پار آ کر خاکستری پہاڑیوں کے طرف جا نکلتے۔۔ ارمان ویرا کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے اٹھا اور جھیل کے کنارے کی جانب چل دیا۔۔ شام اپنی پوری رعنائی کے ساتھ جھیل پر چھائی ہوئی تھی۔۔ جھیل کی سطح پرسکون تھی سورج کی کرنوں کے بھیگے ہونٹوں نے جھیل کے پانی کو چوم

چوم کر لال کر رکھا تھا گویا اب کے بچھڑے پھر ملیں نہ ملیں۔۔جھیل کے کنارے پہنچ کر خنکی کا احساس شدت سے ہونے لگا۔شمال کی جانب ہوا کا ایک جھونکا آیا اور ویرا کے ریشمی بال چہرے پر پھیلا کر آگے نکل گیا اس نے ایک جھرجھری سی لی۔ارمان نے ایک چھوٹا سا پتھر جھیل کی سطح پر پوری قوت سے یوں پھینکا کہ پتھر تین چھلانگیں لگا کر چوتھی چھلانگ پر پانی میں ڈوب گیا۔۔اس نے ویرا کی جانب دیکھا تو اس کی نظریں وہاں جمی ہوئی تھی جہاں پتھر کے سوگ میں جھیل نے ایک دائرہ بنا رکھا تھا۔

''آؤ'' ارمان نے اپنا دایاں ہاتھ ویرا کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا

''کہاں'' ویرا نے چونک کر پوچھا

ارمان نے جھیل کے وسط میں کسی ملکہ کے تاج کی طرح ابھرے ہوئے جزیرہ کی طرف دیکھا ''وہاں''

ویرا نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی اس کے چہرہ پر خوف وحیرت کے ملے جلے تاثرات تھے ''ابھی کچھ دیر میں اندھیرا ہو جائے گا'' ویرا نے آہستہ سے کہا۔ارمان کا ہاتھ بدستور اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا وہ خاموش کھڑا اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ویرا اپنے دونوں بازو آغوش میں سمیٹے چند لمحے ارمان کو دیکھ کر کچھ سوچتی رہی اور پھر فیصلہ کن انداز میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

''آنکھیں بند کر لو ویرا'' ارمان نے نرم لہجے میں کہا

ویرا نے آنکھیں موند لیں

ارمان نے پانی کی سطح پر قدم رکھا اور دونوں جھیل کی پرسکون سطح پر چلتے ہوئے جزیرہ پر پہنچ گئے ''آنکھیں کھول دو، ویرا'' ارمان نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا

ویرا نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر ارمان کی طرف دیکھا اور پھر اپنی گردن کو ہلکا سے خم

دے کر پیچھے کی جانب نگاہ کی اور خوفزدہ ہو کر ڈگمگانے لگی ارمان نے اسے سہارا دیا اور دونوں جزیرے کے سرے پر جا کر بیٹھ گئے۔جھیل کی ہلکی لہریں جزیرے کے کناروں سے ٹکرا رہی تھیں۔شام تقریباً ڈھل چکی تھی۔چیڑ کے درختوں کے لمبے سائے غائب ہونے کو تھے۔جھیل کے کنارے گہرے سرمئی ہو چکے تھے ہوا باقاعدہ سرد ہو گئی۔ارمان نے اپنا گرم کوٹ اتار کر اسے پہنا دیا۔ویرا کے کانپتے بدن کو جیسے سکون آ گیا لیکن اس کے کان ٹھنڈ سے گلابی ہو رہے تھے ارمان نے اپنی کلائی سے ریشمی رومال کھول کر اس کے سر پر اسکارف کی طرح باندھ کر اس کے کان ڈھانپ دیئے۔

وہ کچھ دیر گھٹنوں پر سر رکھے ارمان کے باتوں کے متعلق سوچتی رہی تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے اچانک گھٹنوں سے سر اٹھا کر ارمان کی طرف نم آنکھوں سے دیکھا

''یہ محبت کا حصول اتنا کٹھن کیوں ہوتا ہے ارمان''

''میں جانتا تھا کہ تم یہ ضرور سوال کرو گی''

ویرا کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ ارمان کی بات کا مطلب کیا ہے

''محبت نہ ملنے کی دو وجوہات ہوتی ہے ویرا'' ارمان نے اپنی انگوٹھی کو انگلی میں گھماتے ہوئے کہا

پہلی وجہ یہ کہ ہم خود سے محبت نہیں کرتے اور دوسری یہ کہ۔۔ہم اپنی گزشتہ محبتوں کے زخموں کو بھرنے میں ناکام رہتے ہیں''

ویرا کے سینے میں ایک ٹیس اٹھی اور چہرہ اتر گیا

''محبت کا تعلق جسم سے نہیں روح سے ہوتا ہے'' ارمان نے اس کی طرف سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا ''محبت اپنی ذات کی ضرورتوں کو محبوب کی مجبوریوں پر قربان کرنے کا نام ہے۔جب محبت جسم تک محدود ہو کر رہ جائے تو ہمیں لینے پر اکساتی ہے جس طرح ہم جسم کی

زیبائش کیلئے کپڑے، زیورات، جوتے بازار سے خرید کر لاتے ہے اور جسم کے تقاضے اور ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور اسی طرح اگر محبت روح میں مقیم ہو تو ہمیں دینے کا درس دیتی ہے جس طرح ہم اپنی روح کی آرائش کیلئے صدقہ، خیرات، زکوۃ سے غرباء کی امداد کر کے اپنے رب کو راضی کرتے ہیں اور ہمیں روحانی طور پر تسکین ملتی ہے"

ماحول پر خاموش اداسی چھا گئی

"کیا تم واقعی میرے ہمجان ہو ارمان"

ارمان نے پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں محبت کا رنگ دیکھا اور یوں آہستہ سے سر ہلاتے ہوئے "ہاں" کہا جیسے جھوٹ کہہ رہا ہو۔ حالانکہ حقیقت یہی تھی

"لیکن تم تو۔۔" ویرا کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پلکیں جھکا لیں

"ہاں میں جانتا ہوں کہ میں مر چکا ہوں" ارمان نے سورج کی الوداعی روشنی کو دیکھتے ہوئے کہا "ویرا کیا تم جانتی ہو کہ ہمجان کیا ہوتا ہے"

"ہمارا آدھا حصہ" ویرا کے نظریں ارمان کے چہرے پر جم گئی "جسے آسمانوں میں ہمارے لئے منتخب کیا جا چکا ہے"

ارمان کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گیا

ویرا کو اس کی خاموشی چبھنے لگی "کیا Soulmate ہمارا کھویا ہوا حصہ نہیں"

"ہمجان وہ ہوتا ہے جو ہماری خاموشی کی زبان سمجھتا ہے" ارمان نے لب کھولے "اس دنیا میں ہماری سب سے پہلی ہمجان ہماری ماں ہوتی ہے" ویرا کیلئے یہ بات حیران کن تھی اس سے پہلے اس نے ہمجان کی یہ تعریف کبھی نہ سن رکھی تھی

"برداری کے تمام لوگوں میں سے ایک یا دو افراد میں ہم کشش محسوس کر کے ان سے دل کی بات کہتے ہیں۔۔سب بچوں میں سے ایک بچہ باقی بچوں میں سے زیادہ ہماری توجہ

اپنی طرف کھینچتا ہے۔۔چار بیویوں میں سے صرف ایک بیوی سے آدمی بے پناہ محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔۔ہم تمام بہن بھائیوں میں سے صرف ایک بہن یا بھائی سے زیادہ قربت رکھتے ہیں۔۔دوستوں میں سے ایک کو اپنا ہمراز بنانا پسند کرتے ہیں۔جانتی ہوں کیوں؟''

ویرا نے حیرت میں گم نفی میں سر ہلایا

''کیونکہ جن لوگوں سے ہماری سوچ کی فریکینسی میچ کرتی ہے وہ لوگ لاکھوں کے ہجوم میں بھی ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کروالیتے ہیں۔۔ہمیں ان سے ملکر سکون ملتا ہے ۔۔ہماری شخصیت مکمل ہونے لگتی ہے۔۔ہماری غمی اور خوشی میں ان کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔۔ہماری ذات کو مضبوط کرنے میں یہ لوگ پیش پیش ہوتے ہیں۔۔ہم انہی لوگوں سے متاثر ہو کر انہیں زندگی کے اہم ترین فیصلوں میں شامل رکھتے ہیں۔۔ہاں! ہم ان کے بغیر ادھورے ہیں۔یہی ہمارا آدھا حصہ ہوتے ہیں''

ہنہ جھیل کی سرمئی شام کا نظارہ اب بدل چکا تھا۔۔تیرھویں کا سرد چاند آسمان پر چمکنے لگا۔اسکا عکس پانی پر نقرئی چاندی کی مانند بکھرا ہوا تھا۔خاکستری پہاڑ اسکی چاندنی میں یوں اوندھے پڑے ہوئے تھے جیسے مغربی ممالک کے ساحلوں پر حسینائیں دنیا و مافیا سے بے خبر دھوپ میں لیٹی ہوتی ہیں۔سردی کے باوجود جھیل کے جزیرے پر محبت کا موسم اترا ہوا تھا۔

''اور ایک شخص ایسا بھی تو ہوتا ہے جس کے پاؤں پر ہماری محبت شدتِ جذبات سے سرشار ہو کر سجدہ کرتی ہے'' ویرا نے ہولے سے اپنا سر ارمان کے کاندھے پر رکھتے ہوئے کہا ''جو ہمارے جسم کا آقا اور روح کا مسیحا ہوتا ہے''

''وہ لوگ جنکی محبت کا دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے یا وہ کہ جنکی شادیاں دیرپا نہیں رہتیں یا پھر وہ جو ساری عمر ایک بستر پر سوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی محبت میں بیدار نہیں ہو پاتے اسکی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو غلط فیصلوں کے بھینٹ چڑھا چکے ہوتے

ہیں۔۔ مجبور لوگ۔ دل کی زبان سے ناآشنا لوگ"

تو وہ کون خوش بخت لوگ ہوتے ہیں جنہیں انکا ہمجان مل جاتا ہے ارمان؟"

"جنکا نفس انکے قابو میں ہوتا ہے۔ جن کی خواہشات انکے تابع ہوتی ہیں۔ جو پہلی بار نگاہیں ملنے پر ایک دوسرے کی آنکھوں کے رستے یوں ایک دوجے کی روح میں اترتے ہیں کہ انہیں یہ دھیان تک نہیں رہتا کہ میرے محبوب کی آنکھوں کا رنگ کیسا تھا۔ وہی ایک دوسرے کے ہمجان ہوتے ہیں"

ارمان سے اپنا گال ویرا کے سر پر ٹکا دیا۔ ویرا نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

"ویرا" ارمان نے گہری خاموشی کے بعد اسے مخاطب کیا

اس نے بہت آہستہ سے "ہوں" میں جواب دیا

"کل کیفے میں جب تم سسکیوں کے ساتھ زار و قطار رو رہی تھیں تو اس وقت مجھے حکم ہوا تھا کہ میں عالمِ ارواح سے دوبارہ اس دنیا میں جا کر تمھاری اشکبار آنکھوں کو مسکراتی نگاہوں میں بدل دوں، تمھیں محبت کی حقیقت سے آشنا کروں" ویرا نے دھیرے سے اپنی بند آنکھوں کو کھولا اور ارمان کے شانے سے سر اٹھا کر اسکے چہرہ پر نگاہیں جما دیں

"ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ہم جو مر چکے ہوتے ہیں کوئی ادھورا کام مکمل کرنے کے لیئے دوبارہ زمین پر بھیجے جاتے ہیں اور کام کی تکمیل کے بعد لوٹ جاتے ہیں"

"تم لوٹ جاؤ گے" ویرا کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی

"ہاں" ارمان نے نظریں جھکاتے ہوئے سر ہلایا

"یہ میری انگلی میں انگوٹھی دیکھ رہی ہو" اس نے اپنا ہاتھ چاند کے سامنے فضا میں اٹھایا تو انگوٹھی میں جڑا نیلم اسکی چاندنی میں جگمگانے لگا۔ ویرا کی نگاہ انگوٹھی پر مرکوز ہوگئی۔

"جس روز یہ انگوٹھی میری انگلی سے نکل کر تمھاری مٹھی میں ہوگی اس روز میں عالمِ

ارواح میں لوٹ چکا ہونگا''

''ایسا کب ہوگا ارمان''

''مقصد کی تکمیل کے بعد''

''پھر تو میں کبھی بھی نہ مسکراؤں گی'' ویرا ارمان کے اور قریب ہوگئی اور اسکا ہوا میں معلق ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے دوبارہ اپنا سر اسکے شانے پر ٹکا دیا

''میں اب اس دنیا میں نہیں ہوں ویرا''

اسی دنیا میں ہو اور اس وقت میرے بہت پاس ہو''

ارمان خاموش ہو گیا

''دنیا میں لاکھوں لوگ اپنی ادھوری محبت کے غم میں آنسو بہاتے ہیں تو خدا سب کے لیئے تم جیسا مسیحا زمین پر بھیجتا ہے ارمان؟ جو انکے دکھوں کا مداوا کر سکے'' ویرا کی نگاہیں چاند پر ٹکی ہوئی تھیں

''ہاں۔ بالکل ایسا ہی ہوتا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ ضروری نہیں ہر مسیحا عالمِ ارواح سے ہی دنیا میں بھیجا جائے۔ ابھی دل کے زخموں پر مرہم رکھنے والوں سے دنیا خالی نہیں ہوئی''

''کیا خدا تمھیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں'' ویرا اپنا ہاتھ ارمان کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے بولی

''اچھا یہ بتاؤ کہ جو لوگ مر چکے ہوتے ہیں ہم انکی واپسی کا انتظار کیوں نہیں کرتے''

''کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ لوٹ کر نہیں آسکتے''

ارمان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسکے کان میں سرگوشی کی ''کیونکہ ہم اب انہیں زندہ نہیں دیکھ سکتے۔ مرنے والوں کی یہی بات تو اچھی ہوتی ہے کہ وہ انتظار کا عذاب سونپ کر نہیں بچھڑتے''

''ہمیں مرنے والوں کے واپس لوٹ کر نہ آنے پر اعتبار کیسے آجاتا ہے ارمان''

''کیا اس دنیا مین کوئی ایسا شخص بھی ہے جو روزانہ صبح اٹھ کر یہ دیکھتا ہو کہ کہیں آج سورج مغرب سے تو نہیں نکل رہا''

''ایسا تو کوئی دیوانہ ہی کرتا ہوگا''

''ہاں۔کیونکہ یہ ایک آفاقی سچائی ہے کہ سورج نے مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا ہے''

''اسی لیئے تمام مذاہب کو سورج کی وفا پر اعتبار آچکا ہے''

جھیل کا سناٹا بڑھتا جا رہا تھا۔کچھ لمحوں تک ویرا کسی گہرے خیال میں ڈوبی ارمان کی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی کو گھماتی رہی اور پھر اچانک بے حد سنجیدہ ہو کر بولی''تم بھی مجھ سے وفا کرو گے نا۔ارمان''

''میں تمھارا ہمجان تھا لیکن مر چکا ہوں''

''جب تم لوٹ جاؤ گے تو کیا میں تمام عمر تنہا بسر کرونگی یا پھر کسی ایسے آدمی سے شادی کا فیصلہ کر کے ساری عمر عذاب میں گزار دونگی جو میرا ہمجان نہیں ہے''

ارمان اسے پیار سے الگ کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا''اس سوال کا جواب میں تمھیں کل دونگا''

''کیوں۔آج کیوں نہیں''ویرا نے احتجاج کیا

ارمان نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے اوپر اٹھنے میں مدد دی''کیونکہ اس سوال کا جواب ہماری جدائی سے جڑا ہے''

ویرا کی آنکھوں میں نم اتر آیا

''اس سوال کے جواب کے بعد ہم پھر کبھی نہ مل سکیں گے''ارمان نے نگاہیں چراتے

ہوئے کہا

''تو پھر اسکا جواب مجھے کبھی نہیں سننا''

''آؤ'' ارمان اسکا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ جزیرے سے اترنے لگا اور جونہی دونوں نیچے کنارے پر پہنچے تو ویرا نے اپنے قدم روک کر مضبوطی سے ارمان کا بازو پکڑ لیا۔ ارمان نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکے سر سے ریشمی رومال سرک کر گلے میں لٹک رہا تھا اور سیاہ لٹ چہرہ کے سامنے لہرا رہی تھی۔ آنکھوں میں ہلکا سا خوف تیرنے لگا۔

''آؤ۔ ڈرو مت'' ارمان نے سرگوشی کی

''میں آنکھیں بند کرلوں'' ویرا نے ایک نظر پانی کی جانب دیکھا

''نہیں'' ارمان نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا

ویرا نے ایک لحظہ کے لیئے سانس روک لی کیونکہ اسے اپنے پاؤں ٹھنڈے نرم گداز کمخواب پر محسوس ہوئے۔

وہ ارمان کے تھوڑی دیر قبل پہنائے گئے سیاہ کوٹ تلے ہلکے نیلے رنگ پر سرخ پھلکاری سے مزئین لباس اور شانوں کے گرد سفید شال میں ملبوس بے انتہا خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ گلے میں ریشمی رومال اسکی زلفوں کے ساتھ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

ارمان سردی کے احساس سے بے نیاز سفید قمیض اور ہلکے نیلے رنگ کی جینز میں ملبوس اپنے ہمجان کو پہلو میں لیئے گویا دل کے ارمان کو اس وقت حقیقت میں پورا ہوتا دیکھ رہا تھا۔ قربت کی گھڑیاں بہت مختصر سہی لیکن اسکا احساس صدیوں پر محیط تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو تھام رکھا تھا۔ وہ جھیل کی سطح پر یوں چل رہے تھے جیسے وسیع ڈانسنگ فلور پر کسی انتہائی دھیمے سُروں میں ترتیب دی گئی رومانوی دھن پر کوئی شادی شدہ جوڑا بانہوں میں بانہیں ڈال کر ایک دوسرے کی خوشبو میں گم ناچ رہا ہو۔

جہاں جہاں انکے قدم پڑتے جھیل کی سطح پر گول گول دائرے بنتے چلے جاتے ان دائروں تلے سنہری مچھلیاں انکے ساتھ ساتھ تیرنے لگیں۔ چاند چیڑ کے بلند درختوں کی اوٹ سے چھپ چھپ کرانہیں جھانکنے لگا۔جھیل کی سطح پر پگھلی ہوئی چاندی کا گمان ہو رہا تھا۔دونوں یخ ہوا کی ہولناکی سے بے نیاز آنکھوں کے رستے ایک دوسرے کی روحوں میں اتر چکے تھے۔

ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور ویرا کے چہرہ پر سیاہ زلفوں کا جال سا بچھا گیا۔ارمان نے بہت پیار سے اسکے چہرہ سے بکھرے ہوئے بال ہٹا کر اسکے کان میں سرگوشی کی ''ڈر تو نہیں لگ رہا''۔

''ہاں! تمہاری جدائی سے'' ویرا نے اپنی نم آلود آنکھوں کو موند کر یکدم اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ارمان نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ویرا نے اپنی بانہیں اور سر پیچھے کی جانب ڈال کر اپنا وجود ارمان کے حوالے کر دیا۔ارمان کے قدم پوری جھیل پر گول گول دائرے بنانے لگے ایک جوان روح کی بانہوں میں ایک زندہ جوان لڑکی مدہوش تھی۔گناہ و سزا کے تمام فیصلے خاکستری پہاڑوں پر کھڑے انہیں حیرت سے تکے جا رہے تھے لیکن کسی فیصلے میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ انہیں ایسا کرنے سے روک سکتا۔

حقیقی محبت،جھیل کی سطح پر ناچتی پھر رہی تھی!!

☆☆☆

مایوسی سے جدائی کی رات

ڈاکٹر قدرت کرسی پر اپنی ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے غفران کے سامنے بیٹھا تھا اس کے ہاتھ میں کاغذوں پر لکھی ہوئی غفران اور نرمین کی کہانی اور چہرے پر سنجیدگی تھی

''مجھے نرمین کی وفات کا افسوس ہے'' ڈاکٹر نے دکھ کا اظہار کیا

غفران خاموش رہا اس کے لبوں کے کونے آہستہ آہستہ لرزنے لگے اس نے آنکھیں جھکا لیں

ڈاکٹر نے اسکے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے ''میں حیران ہوں غفران کہ اس زمانے میں بھی ایسی محبتوں کا وجود ہے، تمہاری اس کہانی کو پڑھنے کے بعد نا جانے کیوں مجھے اپنا پیشہ بہت حقیر محسوس ہو رہا تھا، ہم مسیحائی کا دعویٰ کرنے والے مریض کو مرض کی تشخیص کر کے صرف دوا دیتے ہیں یا چیر پھاڑ کر کے بیماری دور کرنے کو علاج کہتے ہیں لیکن علاج تو کچھ اور شے ہے، علاج تو محبت سے ہوا کرتا ہے اور نرمین کی طرح مجھے بھی افسوس ہے کہ کاش تم اسے پہلے ملے ہوتے، اتنی دیر نہ ہوئی ہوتی کہ۔۔۔ خیر جو ہوا سو ہوا''

غفران اپنے آنسوؤں پر مکمل ضبط کیے ہوئے اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹوں کو کاٹنے لگا

''غفران، میں ڈاکٹر ہوں اور میرا باپ بھی ایک نامی گرامی ماہرِ نفسیات تھا لیکن مجھ میں کبھی یہ احساس نہیں جاگا کہ میں کسی معذور لڑکی سے محبت کر کے اس کا سہارا بن جاؤں میری جوانی سراسر کتابی جوانی تھی، ہمیں شروع ہی میں پڑھا دیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر کو

مریض کے معاملے میں اپنا دل سخت رکھنا چاہیے کوئی رحم ہمدردی اور محبت جیسے جذبات کو قریب بھی بھٹکنے نہیں دینا چاہیے یقین مانو اگر کوئی زمین جیسی لڑکی میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تو اسکے لیئے میرے دل میں ہمدردی تو ضرور پیدا ہوسکتی تھی لیکن محبت کا سوال پیدا نہ ہوتا کیونکہ مجھے اپنا کیرئیر بنانا تھا ڈاکٹر بن کر اپنی پڑھائی پر خرچ ہونے والی رقم کو پورا کرنا اور اس کے بعد اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر انہیں تعبیر کا جامہ پہنانا تھا ۔۔ بیوی بچے اور ایک شاندار اور نامور زندگی ۔۔ اور دیکھو، آج میں وہ سب کچھ پلان کے مطابق حاصل کر چکا ہوں ۔۔ لیکن اب میں جان گیا ہوں کہ انسانی جسم کیلئے محبت سے زیادہ پر اثر کوئی اینٹی بائیوٹک نہیں ہے ۔۔ ہاں میں جان چکا ہوں'' ڈاکٹر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے غفران کے گھٹنوں کو ہلکا سا تھپتھپاتے ہوئے کہا

غفران جواب تک خاموشی سے نظریں جھکائے ڈاکٹر کی باتیں سن رہا تھا حیرت سے ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا ''اگر ایسا ہے تو زمین پر کیوں میری محبت کا اینٹی بائیوٹک بالکل بے اثر رہا، کیوں''

''ہر کام اپنے مقررہ وقت پر اچھا لگتا ہے دوست''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ آپ خود ابھی تازہ تازہ محبت کے مفہوم سے آشنا ہوئے ہیں'' غفران کے لہجے میں تیزی تھی

''نہیں، ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم سوچ رہے ہو میں ضرور اس کا جواب دوں گا''

کمرے میں یک دم خاموشی چھا گئی جیسے بجلی کے چلے جانے سے چلتا ہوا پنکھا رک جانے پر ہوتی ہے

''تم بہت اچھا لکھتے ہو یوں ہی اچھا لکھتے رہنا'' ڈاکٹر نے اسے کہانی لوٹاتے ہوئے کہا

غفران نے کہانی کسی مقدس صحیفے کی طرح اپنی گود میں رکھ چھوڑی۔

ڈاکٹر اسے ٹکر ٹکر دیکھتے ہوئے گویا ہوا'' آج میری تمہارے ساتھ اس کمرے میں آخری ملاقات ہے، یوں کہہ لو کہ تمہارے علاج کا آخری دن تھا''

غفران نے چونک کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا

ڈاکٹر سنجیدہ تھا

'' آپ ہار مان رہے ہیں'' غفران نے طنزاً کہا

''ہاں ۔۔شاید'' ڈاکٹر کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

غفران کو ڈاکٹر کی بات بڑی عجیب لگی لیکن اندر سے اسے خوشی کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ بالآخر ڈاکٹر کی سمجھ میں آ گیا کہ اس کی بیماری بھی نرمین کی بیماری کی طرح لاعلاج ہے اور اب وہ ڈاکٹر کے مشوروں سے بالکل آزاد ہو کر باقی ماندہ زندگی گزارتے ہوئے کچھ ادھورے کام مکمل کر کے مر جائے گا، نرمین کے پاس چلا جائے گا۔

'' اب تک کے علاج کے لیے آپ کا بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب'' غفران نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا ڈاکٹر سر ہلاتے ہوئے اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا'' شکریے کی کوئی ضرورت نہیں میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا گو رہوں گا'' ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں سے اس کے رخساروں کو تھپتھپایا اور مصافحہ کرتے ہوئے کمرے کے باہری دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر اچانک کسی خیال نے اس کے قدموں کو روک دیا اس نے مڑ کر غفران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا'' میں تمہاری اس بیماری کے حوالے سے فائنل رپورٹ کچھ دنوں میں تمہارے گھر بھجوا دونگا''

غفران نے جواباً اطمینان سے سر ہلایا اور ڈاکٹر اپنے چہرے پر گہری تشویش کے آثار لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد اسے پورا یقین تھا کہ اسکے تمام گھر والے اسکے پاس آ کر اس کی بدقسمتی کا ماتم کریں گے لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا سب کے رویئے ویسے کے ویسے ہی تھے جیسے انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ ڈاکٹر اس کے علاج سے دستبردار ہو کر لوٹ گیا ہے اور اب وہ کبھی نہیں آئیگا۔

اگلی صبح غفران معمول سے ذرا پہلے جاگ اٹھا اور اس کی وجہ وہ خواب تھا جو اسنے غالباً فجر کے وقت دیکھا تھا۔

غفران اس خواب کی بابت سوچنے لگا کیا۔۔عجیب وغریب سا خواب تھا کہ وہ ایک وسیع وعریض تپتے ہوئے صحرا کے بالکل وسط میں پیاس سے نڈھال ایک سوکھے ہوئے پیڑ کے سہارے کھڑا ہے اس کی آنکھیں زندگی کے آثار ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک چکی ہیں کوئی اڑتا ہوا پرندہ، پانی کی ایک بوند، کوئی تازہ ہوا کا جھونکا، بہت دور سے ہی سہی کسی انسان کی آواز۔۔۔کچھ بھی تو

نہیں تھا، سر کے اوپر دہکتا ہوا سورج اور پاؤں تلے گرم ریت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا 'کیا اسی کو موت کہتے ہیں' کہ جب زندگی کے آثار نگاہوں سے اوجھل ہو کر انسان کو دم توڑنے پر مجبور کرتے ہیں یہی موت کی شکل ہے؟؟؟

''نہیں'' اچانک نا جانے کہاں سے ایک بے انتہا خوبصورت چڑیا سوکھے ہوئے شجر پر آ کر چہکی ''کیا تم نے ابھی تک اپنے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کی آواز نہیں سنی'' چڑیا کی چہکار اس کے لیے قابل فہم تھی ''بولو کیا تم زندہ نہیں ہو، اگر ہو تو پھر کیوں تم زندگی کو اپنے آس پاس تلاش کر رہے ہو، اپنے وجود میں کیوں نہیں جھانکتے، اگر خدا نے تمہیں اس صحرا کی ویرانیوں میں بھی زندہ رکھا ہوا ہے تو تمہارے لیے کیا یہ بہتر نہیں کہ تم اپنے ہنوز زندہ رہنے کی حکمت تلاش کرو بجائے اس کے کہ تم موت کے بارے

میں بیکار سوچ کر پروردگار کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری کرو" چڑیا پھدک کر اس کے کاندھے پر آن بیٹھی "یاد رکھنا خدا انہی انسانوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن کے حوصلوں میں اس کی آزمائش جھیلنے کی سکت ہوتی ہے" اسکے بعد چڑیا اڑتے اڑتے اس کے سامنے آئی اور یہ کہہ کر دور افق میں کھو گئی کہ "زندگی کی خواہش ہی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے اور اگر یہ خواہش مر جائے تو انسان کو بزدلی کی موت مرنا ہی پڑتا ہے"

غفران نے اس خواب کا کسی سے بھی تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ جسے بھی یہ خواب سنائے گا وہ خوامخواہ ضرور اس خواب کا تعلق اس کی بیماری سے جوڑ کر نصیحتیں گلے میں ڈال دیگا۔

ڈاکٹر قدرت کو اسے الوداع کیے ہوئے پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔۔غفران خوش تھا کہ تمام علاج معالجے سے اس کی جان چھوٹ چکی تھی اب تو اس کے ابو اسے ورزش کا بھی نہ کہتے۔گھر میں عجیب سی چپ کا راج تھا شاید ڈاکٹر نے سب کو بتا دیا تھا کہ اب میں لاعلاج ہو چکا ہوں بس اب کسی دن ہسپتال میں دم نکلنا باقی ہے نرمین کی طرح!

سوا دس بجے کے قریب جب کہ غفران بستر پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا کمرے کے سامنے والی کھڑکی جو کہ برآمدے میں کھلی ہوئی تھے اس نے دیکھا کہ اس کے بھائی کے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھاما ہوا ہے جس پر لکھی تحریر کو وہ انہماک سے پڑھ رہا ہے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے مطالعے کے بعد اس نے وہ کاغذ کھڑکی کے پاس پڑی میز پر رکھا اور ایک اچٹتی نگاہ کمرے کے اندر ڈالتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔۔غفران نے چند لمحے اس کاغذ اور بھائی کی تشویش پر غور کیا اور دوبارہ کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گیا ابھی دس منٹ ہی بمشکل گزرے ہونگے کہ غفران کی بہن سنبل جو اس سے پانچ سال چھوٹی تھی اس میز کے قریب آئی

اوراس کاغذ کو اٹھا کر چلی گئی کچھ دیر بعد واپس آئی اور کاغذ کو تہہ کر کے دوبارہ میز پر رکھتے ہوئے ایک نگاہ کمرے میں ڈالی اور یہ دیکھ کر کہ غفران اسے ہی دیکھ رہا ہے بوکھلا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔۔اب غفران نے اس کاغذ کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا کہ آخر یہ کاغذ کیا ہے کوئی خط کوئی نوٹس یا پھر۔۔او میرے خدایا۔۔میری فائنل میڈیکل رپورٹ' جو کہ ڈاکٹر قدرت نے بھجوانی تھی۔۔وہ اسی سوچ میں غرق تھا کہ سنبل کمرے میں آئی اس کے کپڑوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کہیں جانے کی تیاری میں ہے

''آج کالج میں ہماری فیئر ویل پارٹی ہے بھائی جان میں وہاں جا رہی ہوں آپ کا کوئی کام ہو تو بتا دیجیئے''

''کام تو ہے لیکن تمہیں دیر ہو جائے گی تم جاؤ گڑیا''غفران کو پتہ نہیں کیوں لگ رہا تھا جیسے سنبل کی آنکھوں میں اداسی ہے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے پوچھ لے کہ وہ جو کھڑکی کے باہر میز پر کاغذ دھرا ہے وہ کیسا کاغذ ہے لیکن وہ اس سے کیوں پوچھے جبکہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ کاغذ ہو نہ ہو ڈاکٹر قدرت کی بھیجی ہوئی رپورٹ تھی اور ویسے بھی وہ اسوقت اسے مزید اداس نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے کالج کی الوداعی تقریب میں شرکت کرنے جا رہی تھی ایسی تقریب جس کا تعلق پہلے ہی سراسر اداسی سے تھا!

''کام بتا دیجیے میں ابھی کیے دیتی ہوں''سنبل نے اصرار کیا لیکن غفران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے الوداعی کلمات سے رخصت کر دیا''نہیں، جب واپس آؤ گی تو بتا دونگا، تم جاؤ اور اپنا بہت خیال رکھنا''

سنبل نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی

غفران کو سنبل کی مسکراہٹ بھی مصنوعی معلوم ہوئی اسنے اضطراب سے اپنے ہونٹوں کو کاٹنا شروع کر دیا اس کی نگاہیں اس کاغذ پر مرکوز تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ

دوبارہ سوچ کے سمندر میں غوطہ ظن ہوتا اسے اپنے ابو کے کھانسنے کی آواز سنائی دی اور اگلے ہی لمحے وہ اسکے دروازے پر تھے ''میں ابھی کچھ دیر میں بازار جاؤں گا تمہیں کوئی چیز منگوانی ہو تو بتا دو''

''نہیں جی، مجھے کچھ نہیں چاہیے'' غفران نے مختصراً جواب دیا

اس کے ابو سر ہلاتے ہوئے اسکے کمرے سے باہر نکل گئے اور جونہی اس میز کے قریب پہنچے کاغذ اٹھا کر دائیں طرف باورچی خانے کی جانب چلے گئے۔ غفران نے خود کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ یہ کاغذ اسکی فائنل میڈیکل رپورٹ ہے جس نے سب کو تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔۔ کچھ دیر بعد اسکے اندر اس رپورٹ کو پڑھنے کا تجسس مچل اٹھا، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ کاغذ ایک ہتھوڑا ہے جو مسلسل اس کے دماغ پر ضرب لگائے جا رہا ہے اسے یونیورسٹی کے پروفیسر مبین الدین یاد آ گئے جن کے خیال میں بس لمحہء موجود ہی زندگی ہے باقی آنے والا ہر ایک پل ایک فریب ایک گمان ایک کھلا دھوکہ ہے۔۔ غفران نے زیر لب ایک موٹی سی گالی بکتے ہوئے سوچا کہ یہ آنے والے پل ہی تو اصل عذاب ہیں، زندگی کے خوبصورت یا بدصورت ہونے کا دارومدار آنے والے پل ہی سے وابستہ ہے صرف ایک پل ہنستی آنکھوں کو رلانے اور آئندہ کی زندگی کو روگ لگانے کے لیے کافی ہوتا ہے اور فقط ایک لمحہ نگاہوں سے نگاہوں کا ٹکرانا اجاڑ دلوں میں بہار کو اتار لاتا ہے۔۔ غفران کے ذہن میں نرمین کی صورت ابھر آئی اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں، بند آنکھوں میں نرمین اس کے سامنے آن بیٹھی اور اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک اس کا عکس دھندلا نہ گیا۔

غفران کی امی ابو دبی آواز میں باتیں کرتے ہوئے کھڑکی کے سامنے آئے اس مرتبہ وہ کاغذ غفران کی امی کے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا اور دونوں کے چہروں پر تشویش اور

افسوس کے ملے جلے اثرات ہویدہ تھے۔غفران کی امی نے کاغذ میز پر رکھا اور کھڑکی سے زبردستی مسکراتے ہوئے

غفران کو مخاطب کیا

''چائے بنادوں''

غفران نے خود پر طاری کیفیات سے نکلتے ہوئے آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا''امی یہ کاغذ کیسا ہے''

اس کی سادہ لوح ماں نے گویا گھبرا کر دائیں طرف کھڑے اسکے ابو کی جانب دیکھا اور بولیں'' کچھ نہیں بیٹا ایسے ہی پراپرٹی ٹیکس کا ایک نوٹس ہے''

غفران نے صاف محسوس کیا کہ اس کی ماں جھوٹ بولنے کی صاف ناکام کوشش کر رہی ہے

''کیسا نوٹس ہے لائیے میں بھی ذرا دیکھوں''غفران کی نظریں ماں کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں

اس مرتبہ اسکے ابو نے مداخلت کرتے ہوئے کہا'' کچھ خاص نوٹس نہیں ہے تم پریشان نہ ہو''

''آپ سب لوگ مجھے کوئی پاگل سمجھ رہیں ہیں یا پھر میری معذوری کا مذاق اڑا رہے ہیں''غفران کا چہرہ سرخ ہوگیا''میں جانتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر قدرت کی بھیجی ہوئی میری فائنل میڈیکل رپورٹ ہے جس میں یقیناً میری زندگی کی مہلت لکھی ہوئی ہے جو کہ میں آپ لوگوں کے چہروں پر صاف طور پر پڑھ رہا ہوں، دو ماہ، چار یا زیادہ سے زیادہ چھ۔۔''

''بکواس نہ کرو غفران''اس کی ماں کا تو جیسے سینہ ہی شق ہوگیا'' کچھ بھی سمجھ لیتے

ہو، یہ کوئی تمہاری رپورٹ نہیں ہے"

اس نے دیکھا کہ اس کی ماں کی برسات آشنا آنکھوں میں گہرے بادل اُمڈ آئے تھے۔غفران نے فوراً پشیمان ہو کر سر جھکا لیا اور کافی دیر تک خاموشی میں ڈوبا خود کو کوستا رہا کہ آج اس کی وجہ سے اس کی ماں کا دل دکھا تھا کیا خبر اس کی ماں ٹھیک ہی کہہ رہی ہو کہ وہ کوئی نوٹس ہی ہے اگر اس کی رپورٹ ہوتی تو یوں اس کے سامنے میز پر کیوں رکھی جاتی اگر چھپانا ہی مقصود تھا تو کسی اور کمرے رکھی جاسکتی تھی ویسے بھی اس میز پر نئے یوٹیلیٹی بلز ہی رکھے جاتے تھے تا کہ بروقت جمع کروائے جاسکیں لیکن اسکے باوجود اسکے دل میں بہرحال ایک بے چینی گھر کر چکی تھی اور وہ بے چینی اسوقت تک دور ہونے کا نام نہیں لے سکتی تھی تاوقتیکہ وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں نہ آجائے۔

شام کو سنبل جب اس کے لیے کمرے میں چائے لے کر آئی تو نہ چاہتے ہوئے بھی غفران کا تجسس خود بخود ایک بار پھر اس کاغذ کی بابت جاگ اٹھا۔غفران نے اس سے کالج کے فیئر ویل فنکشن کے بارے میں دریافت کیا اور باتوں باتوں میں اچانک اس کاغذ کے متعلق پوچھا

ایک ہلکی سی بوکھلاہٹ سنبل کے چہرے پر نمایاں ہو کر غائب ہوگئی "کونسا کاغذ بھائی"

"وہی جو سامنے میز پر رکھا ہے اور صبح جسے پڑھ کر تم اداس ہوگئی تھی" غفران کی نگاہیں بالکل کسی ماہرِ نفسیات کی طرح سنبل کے چہرے پر جمی ہوئیں تھیں

"اچھا وہ۔۔وہ کوئی نوٹس ووٹس ہے، کیوں"

"مجھے لا کر دکھاؤ" غفران نے بے پرواہی سے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا

"جی اچھا" سنبل نے آہستہ سے کھڑکی کی جانب دیکھا اور اٹھ کر کمرے سے باہر

چلی گئی اور ایسی گئی کہ پھر دوبارہ لوٹ کر واپس نہ آئی۔۔غفران کو سنبل کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا وہ چاہتا تو شور مچا کر تمام گھر سر پر اٹھا لیتا لیکن اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا کہ ابھی صبح ہی تو اسکے غصہ کی وجہ سے اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

رات کا کھانا اس نے خلاف معمول اپنے کمرے میں یہ کہہ کر منگوالیا کہ اسکے سر میں شدید درد ہے اس کے ابو ڈسپرین کی گولیاں اس کے پاس رکھتے ہوئے 'یاد سے کھا لینے' کی تاکید کرتے ہوئے لوٹ گئے۔کھانے کے بعد گھر کے افراد ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ گئے اور غفران اپنے پلنگ کے عقب میں لٹکتے ہوئے ٹیوب لائٹ کے بٹن کو آف کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

رات کے دو بج چکے تھے! غفران کو نیند کی بجائے رونا آ رہا تھا آج پہلی مرتبہ وہ اپنی محتاجگی پر شدید غصہ اور افسوس کر رہا تھا۔'اس محتاجگی کی زندگی سے تو موت بہتر ہے' اس نے غصے سے زیر لب کہا وہ بالکل بے بس ولاچار بستر پر چت پڑا چھت پر لگے پنکھے کو دیکھے جا رہا تھا کہ اچانک اسے خواب والی چڑیا یاد آ گئی ''یاد رکھنا خدا انہی لوگوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن میں اس کی آزمائش میں پورا اترنے کا حوصلہ ہوتا ہے''۔۔ غفران خدا کے متعلق سوچنے لگا ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا کیوں اپنی مخلوق کو اذیت دیتا ہے یہ کیسا غفور و رحیم ہے جو اپنی مخلوق کو تڑپتا دیکھ کر خوش ہو رہا ہے، جسے میری ماں کے آنسو دکھائی نہیں دیتے اور بوڑھے باپ کی چٹختی ہڈیوں کی آواز سنائی نہیں دیتی، یہ کیسا رب ہے۔۔غفران کا ذہن ابھی مزید خدا کے متعلق اول فول سوچنے پر آمادہ تھا لیکن اچانک اسے اپنے دماغ میں ڈاکٹر قدرت کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دی'' کفر سوچنے سے بہتر ہے کہ تم آج ایک فیصلہ کر لو کہ آئندہ تمہیں زندگی میں کس کا محتاج

رہنا ہے؟ لوگوں کا یا پھر خدا کا؟؟ نادان انسان اگر تم نے یونہی قدم قدم پر لوگوں کو سہارا بنا کر زندگی گزارنی ہے تو تمام عمر اس محتاجی کے تیشہ سے اپنے خواب، خواہشیں اور ارمان توڑ توڑ کر پاش پاش کرتے رہو گے، روتے تڑپتے اور اپنے آپ کو یونہی کوستے رہو گے، لاچار نگاہوں سے مصروف زمانے کے دل کھٹکھٹاتے رہو گے، یہ چار گز کے فاصلے پر پڑا ہوا کاغذ کا ٹکڑا اسی طرح روپ بدل بدل کر تمہاری زندگی میں آتا رہے گا اور تمہاری معذوری اور محتاجگی کی آگ کو ہوا دیتا رہے گا۔ لیکن ہاں اگر تم خود کو زمین پر خدا کا نائب تسلیم کرتے ہو تو اٹھو، اٹھو غفران، اور تھامو اپنے خالق کا ہاتھ کہ خدا کے سہاروں کا آرزومند کبھی دنیا کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ اٹھو غفران کہ تم کو آزمانے والا رب تمہارے حوصلوں کی صدائے لبیک کا منتظر ہے۔ اٹھو بے شک تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش میں گر کیوں نہ جاؤ کہ تمہارا یہ گرنا بھی تمہاری ہمت کی دلیل ہو گا۔ اپنے وجود اور بندگی کو خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر کے اٹھو۔ تمام میڈیکل رپورٹس پر اپنی ہمت کو فوقیت دے کر اٹھو۔ اس یقین کے ساتھ اٹھو کہ تمہیں تھامنے والا تمہاری شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہے!

غفران کا جسم پسینے سے شرابور تھا اسکی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ''میں اٹھوں گا، میں اٹھوں گا'' اس نے زیرلب یہ کہتے ہوئے ایک جوش کے ساتھ بستر پر بیٹھ کر لائٹ آن کی اور اپنے پاؤں پلنگ سے نیچے اتار کر اپنی آستین سے آنسو پونچھ ڈالے۔ برآمدے میں اندھیرا تھا جس کی وجہ سے اسے میز نظر نہیں آ رہی تھی لیکن ایک جنون اس کے اندر موجزن تھا اور وہ تہیہ کر چکا تھا کہ چاہے وہ کاغذ میز پر ابھی تک دھرا ہو یا نہ ہو وہ آج کھڑکی تک ضرور پہنچ کر دم لے گا۔

گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ سب سو رہے تھے، اس نے ایک نظر سامنے کھڑکی پر

ڈالی تو کھڑکی اسے کوسوں دور دکھائی دی اس نے قریب رکھی ہوئی کرسی کو مزید کھینچ کر پلنگ کے قریب کیا اور بہت ہی مشکل اور صبر آزما مرحلے کے بعد خود کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے کرسی پر بٹھا لیا۔۔ ایک جوش اسکے ذہن و دل میں ابل رہا تھا اس کی سانس پھول چکی تھی تھوڑے توقف کے بعد اس نے کرسی کی ہتھیوں پر اپنے ہاتھ مضبوطی سے جماتے ہوئے اپنے وجود کو کھڑا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔۔ ہر بار اس کی ٹانگیں بری طرح کانپ کر تھک ہار جاتیں لیکن وہ مسلسل کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح کھڑا ہو کر دیوار کو تھام لے کافی دیر گزر چکی تھی تھکن کیسا تھ اس نے محسوس کیا اسکی ٹانگوں میں حرارت در آئی ہے گرمیوں میں بھی سرد رہنے والی ٹانگیں اب گرم تھیں۔۔ اس نے ایک بار پھر پر جوش طریقے سے کوشش کرنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر بہت ہی آہستہ آہستہ کھڑا ہوتا چلا گیا۔۔

پسینہ اسکے سر سے نکل کر کنپٹیوں سے نیچے بہہ رہا تھا، وہ دیوار تھام کر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا اس کامیابی پر ایک مدھم سی خوشی کا احساس اس کے دل میں ابھر کر فوراً غائب ہو گیا کیونکہ اسوقت وہ ایسی پوزیشن پر کھڑا تھا کہ اگر ذرا سے بھی دیوار سے ہاتھ ہٹے تو وہ زمین بوس ہو جائے گا، اس کا اگلا ہدف کرسی کی پشت کو تھامنا تھا جو کہ ہاتھ بھر فاصلے پر رکھی ہوئی تھی اس نے اپنی کانپتی ٹانگوں کو سکون میں آنے کیلئے وقت دیا اور جب ٹانگوں کی کپکپاہٹ کافی حد تک تھم گئی تو اس نے اپنا دائیاں ہاتھ مضبوطی سے دیوار پر جماتے ہوئے بائیں ہاتھ کو کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔۔ جب ہاتھ کرسی پر مضبوطی سے جم گیا تو اس نے کرسی کو ذرا سا کھینچ کر اپنی طرف کیا اور خود کو ہلکا سا کرسی کی جانب خم دیکر دایاں ہاتھ بھی اسکی پشت پر رکھ دیا، اب وہ کرسی کے سہارے کھڑا تھا اسی کرسی کے پیچھے ایک اور کرسی تھی۔۔ اس نے اپنی تمام ہمت جمع کرتے ہوئے جوں ہی اس دوسری کرسی

کی جانب قدم بڑھانا چاہا تو اسے اپنی ٹانگوں میں سخت نقاہت محسوس ہوئی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہیں اس کرسی پر بیٹھ جائے لیکن اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور اپنی آنکھیں بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ خدا کا ہاتھ یہیں آس پاس موجود ہے جب اس نے آنکھیں کھولیں تو دماغ کو پُرسکون پایا اس نے محسوس کیا کہ دماغ کے پُرسکون ہونے ۔۔کے ساتھ ہی اس کا جسم ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے۔۔

اس بار اس نے قدم بڑھایا تو بہت ہی آہستہ سے دوسری کرسی کی جانب بڑھتا ہوا اس کے سہارے کھڑا ہوا گیا، قدم بڑھانا ویسے بھی اس کیلئے کوئی مشکل عمل نہ تھا کیونکہ وہ اپنے بھائی اور باپ کے سہارے ایسے ہی قدم بڑھاتے ہوئے کمرے میں آتا جاتا تھا لیکن اس وقت اسے گرنے کا خوف نہ ہوتا جبکہ ابھی اسے کسی بھی غلط قدم کی پاداش میں گرنے کی سزا مل سکتی تھی ۔۔کھڑکی ابھی بھی اس کے مطابق کافی دور تھی اس کا سانس اوپر نیچے ہو رہا تھا ذہن شور مچا رہا تھا کہ کرسی پر بیٹھ جاؤں ورنہ گر جاؤں گے مگر دل میں ایک اذان گونج رہی تھی جس میں جوشِ بلال تھا، اس نے جوش کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اگلا قدم بڑھا کر دیوار کے ساتھ رکھے شوکیس کو تھام لیا پسینہ اس کی ہتھیلیوں کو بھگو چکا تھا اس کے ہاتھوں میں پھسلن ہونے لگی اس نے ایک ایک کر کے اپنی دونوں ہتھیلیوں کا پسینہ اپنی چھاتی سے پونچھا اور انتہائی آہستہ سے قدموں کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے کھڑکی سے ملحقہ دیوار کی جانب روانہ ہو گیا۔۔کھڑکی دھیرے دھیرے اس کے نزدیک ہوتی جا رہی تھی مگر اس کی نگاہیں اور توجہ اپنے قدموں پر تھی جنہیں وہ بہت قرینہ سے آگے بڑھا رہا تھا۔۔دو گز لمبے شوکیس کا فاصلہ اس کے لیئے دو میلوں جیسا تھا ۔۔آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے بالآخر وہ دیوار تک پہنچ گیا اس کا پورا جسم گویا بخار سے دہک رہا تھا اسکا ہدف چونکہ کھڑکی تک پہنچنا تھا سو یہ تمام تکالیف اس کے لیے بے معنی

تھیں گو کہ اسکی رفتار چیونٹی سے بھی کئی گنا زیادہ کم تھی لیکن اس کا جنون سمندر کی خود سر لہروں کی طرح چٹانوں سے ٹکریں مار رہا تھا۔۔اسے محسوس ہوا دیوار سے کھڑکی تک پہنچنے میں گویا اسے زمانے لگ جائیں گے حالانکہ فاصلہ ڈیڑھ گز سے زیادہ نہ تھا ذرا سی حرکت پر اس کی سانسیں بے قابو ہونے لگتیں لیکن اس کی منزل ان تمام رکاوٹوں سے پرے اس کے استقبال کے لیے بے چین تھی اور وہ وصالِ منزل کیلئے تڑپتا ہوا اس کی جانب روانہ تھا جوں جوں منزل قریب آ رہی تھی اس کا دل خوشی سے چیخنے کو کر رہا تھا اور پھر بہت دیر بعد وہ لمحہ غفران کے مقدر میں لکھ دیا گیا جس میں اس کی منزل ہاتھ بھر فاصلے پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔۔آخر خدا نے بندے سے پوچھ لیا کہ' بتا تیری رضا کیا ہے۔'اس نے اپنی تقدیر کا یہ نا قابل یقین لمحہ خود اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا تھا۔۔جب اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی میں نصب لوہے کی سلاخوں کو تھاما تو باہر آسمانوں میں کوئی فرشتہ جیسے ندا لگائے جا رہا تھا کہ" کوئی ہے اپنے پروردگار سے مانگنے والا۔۔کوئی ہے اپنی حاجت روائی کا طلبگار"!

کھڑکی کے بالکل ساتھ باہر برآمدے میں رکھی میز پر اسے وہ کاغذ پڑا دکھائی دیا۔۔اس کا نقاہت سے برا حال ہو رہا تھا جیسے ابھی وہ ناران سے پیدل سفر کرتے ہوئے کاغان پہنچا ہو اور اب سامنے جھیل سیف الملوک کا دلنشین نظارہ تھا۔۔اوپر نیچے ہوتی سانسوں کو نارمل کرنے میں اسے کافی وقت لگ گیا جونہی اسے لگا کہ اب وہ اس قابل ہے کہ کھڑکی سے ہاتھ بڑھا کر اس کاغذ کو اٹھا لے تو ایک خوشی کا احساس اس کے اندر سر سے پاؤں تک رینگ گیا۔۔اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے وہ کاغذ میز پر سے اچک لیا۔۔اس نے بڑی مشکل سے خود کو کھڑکی کے ساتھ جوڑ کر کھڑا رہنے پر مجبور کیا اور کپکپاتی انگلیوں سے اس تہہ شدہ کاغذ کو کھولا۔۔چند لمحوں کے لیے اس کے ماتھے

پر بل آ کر غائب ہو گئے۔

کاغذ کے سرے پر ''غفران کے نام'' جلی حروف سے لکھا ہوا تھا۔

غفران کی نگاہیں کاغذ پر لکھی باقی ماندہ تحریر پر دوڑنے لگیں۔

ڈیئر غفران!

مجھے اس بات کا یقین کامل تھا کہ تم آج نہیں تو کل ضرور اس خط تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔۔تم پر اس بات کا یقین کرنے کی ایک وجہ ہے اور وہ مجھے تمہاری کہانی پڑھ کر معلوم ہوئی، اس کہانی میں تم مجھے محبت کی دونوں انتہاؤں پر کھڑے نظر آئے تھے۔

ایک انتہا وہ جہاں محبت ہوتی نہیں بلکہ محبت کی جاتی ہے۔۔اور میرے نزدیک محبت کا ہو جانا کوئی انہونی بات نہیں ہے یہ تو بالکل اسی طرح ہے جیسے بارش کو ہونا تھا سو ہو گئی، لیکن اس کے برعکس کسی سے جان بوجھ کر محبت کرنا ایک مشکل اور صبر آزما عمل ہے ،جس طرح ہم تمام اچھے برے حالات میں خود کو زندہ رکھنے کی تگ و دو کرتے ہیں۔۔ اور تم نے نرمین سے محبت کی تھی تمہیں

محبت ہوئی نہیں تھی۔۔تم نے ایک معذور لڑکی سے محبت کرنے کا چیلنج قبول کیا تھا اور تمہیں یہ چیلنج تمہارے اندر کے اس حساس شخص نے دیا تھا جو اس مادہ پرست زمانے میں بہت کم لوگوں کے اندر زندہ ہے، جسے سب قابل رحم سمجھتے ہوں اس شخص سے محبت بڑا مشکل عمل ہے!

محبت کی دوسری انتہا وہ ہے جسے صرف افسانوں کی حد تک دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ ایک شخص محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر اپنے محبوب کی تکلیف کو بھی اپنے وجود میں اتارنے سے گریز نہیں کرتا۔۔اس کے تمام رنگ اپنے اوپر ڈال لیتا ہے گویا رانجھا

رانجھا کہتی میں خود ہی رانجھا ہوگئی۔۔تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ زمین پر تمہاری محبت کے اینٹی بائیوٹک نے کیوں اثر نہیں کیا تو سنو دوست، وہ بالکل ٹھیک کہتی تھی کہ تم واقعی بہت دیر سے اس کی زندگی میں محبت لے کر آئے تھے ۔۔تم سے پہلے وہ موت اور مایوسی کے رومانس میں مبتلا ہو چکی تھی اور جب تمہاری محبت نے اسے زندگی کی طرف لوٹانا چاہا تو تمہاری دی ہوئی اینٹی بائیوٹک کا الٹا اثر تم پر ہو گیا تمہاری محبت بے انتہا شدید تھی۔۔تم اس امید پر اس کے درد کو اپنے اندر سموتے رہے کہ شاید اس کا درد کم ہو جائے لیکن ایسا کیسے ممکن تھا۔۔اور اسکے مرنے کے بعد تم نے دانستہ طور پر اسکی تمام تکالیف کو محبت کا تحفہ سمجھ کر ذہنی طور پر قبول کر لیا۔۔تم اسی کی طرح درد میں جینا اور مرنا چاہتے تھے۔

محبت کی انہی دو انتہاؤں پر تمہیں کھڑا دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تمہیں کوئی بیماری نہیں ہے بس محبت کا ایک شدید درد ہے جو کہ تمہارے ذہن و دل سے نکل کر تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے۔۔آج وہ درد سمیٹ کر تم نے اپنے اردگرد پھیلے ہوئے ان رشتوں کے اداس دلوں کو ایک نئی زندگی کی نوید دی ہے جو تمھارے ساتھ قطرہ قطرہ مر رہے تھے۔

میں یہ خط تمہارے تمام گھر والوں کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہا ہوں اور تمہیں اس خط تک پہنچانے میں اس تمام ڈرامے کا ہدایتکار میں ہی ہوں۔۔میں تمہارا معالج ہوں اور جتنا عرصہ تم میرے زیر علاج رہے ہو میں تمہاری نفسیات سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا کہ تم میں غصے کے ساتھ ساتھ تجسس اور چیلنج قبول کرنے کی ہمت بھی بہت زیادہ ہے۔جب تم اس خط تک پہنچو گے اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم چل کر پہنچو گے کہ تمہارے جیسے حوصلہ مند لوگ گھٹنوں کے بل رینگنا اپنی توہین سمجھتے ہیں تو جتنی خوشی تمہارے سب گھر والوں کو ہوگی شاید اس سے کئی زیادہ خوشی بطور معالج مجھے ہو، کیونکہ یہ محض ایک خط نہیں

ایک معالج کا یقین ہے جسے یہ دعوی ہے کہ اس کا مریض اپنی بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو نکالنے کی بھرپور قوت رکھتا ہے۔

میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں کہ اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا بلکہ اب میں تمہارا کلینک میں اپنے پاؤں پر چل کر آنے کا منتظر رہوں گا۔

تمہارا دوست معالج

ڈاکٹر قدرت علی

کچھ دیر تک غفران نے خط پر نگاہیں جمائیں رکھیں آہستہ آہستہ اس کا چہرہ پرسکون ہوتا چلا گیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اسے اپنا وجود ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے خط کو میز پر رکھ کر کھڑکی کو مضبوطی سے تھام لیا اور نگاہیں آسمان پر جما دیں

اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔ خاموش نیم مردہ اندھیرے میں مؤذن کی آواز نے جیسے زندگی پھونک دی ہو

اشہد اللہ الہ الا اللہ۔۔۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ نے خدا کی وحدانیت کی قسم اٹھائی

اشہدان محمد الرسول اللہ۔۔ مکانات روشن ہوتے چلے گئے اور آہنی دروازوں کے کنڈے کھلنے کی آوازوں نے عشاقِ محمد کی بیداری کی گواہی دی

حی علی الصلوۃ۔۔۔ غفران کے کمرے پر دستک ہوئی بوڑھے ماں باپ اپنے جوان بیٹے کو پاؤں پر کھڑا دیکھ رہے تھے ان کے آنسو آنکھوں سے نکل کر زمین پر سجدہ ریز ہونے کو تڑپنے لگے۔

حی علی الفلاح۔۔۔ غفران نے دھیرے سے مڑ کر دیکھا تو ماں باپ نے اپنی بانہیں پھیلا دیں غفران نے چمکتی مسکراتی نم آنکھوں سے ماں باپ کی طرف دیکھا

الصلوۃ خیر من النوم۔۔۔ وہ کھڑکی سے ہاتھ چھوڑ کر دیوار کو تھامتے ہوئے دھیرے

دھیرے چلنے لگا اس بار اس نے اپنی ٹانگوں کی کپکپاہٹ اور نقاہت کو یکسر نظر انداز کر رکھا تھا

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔۔۔کمرے کے دروازے پر اب اس کے ماں باپ کے ساتھ اس کے بہن بھائی بھی موجود تھے غفران کو یوں چلتا دیکھ کر سب کی آنکھوں میں بھرے

آنسوؤں کی زبان پر صرف ایک ہی کلمہ تھا۔الحمدللہ

ویرا کے آنسوؤں میں ڈوبا ہوا شہر

دن کے بارہ بج رہے تھے جب ویرا کی آنکھ کھلی۔ "آج اتنی دیر کیسے ہوگئی" اس نے نیم وا آنکھوں سے دیوار پر لٹکے ہوئے وال کلاک کی جانب دیکھ کر سوچا۔

آہستہ آہستہ اسے یاد آنے لگا کہ وہ کل رات دیر تک کہاں تھی لیکن اس کی الجھن میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب اس نے یہ یاد کرنے کی کوشش کی کہ آخر وہ گھر کب اور کیسے پہنچی تھی اور دیر سے آنے پر شیزا نے اس سے کیا کہا تھا۔۔اور۔اور۔۔

ویرا کی آنکھیں اب پوری طرح کھل چکی تھیں۔وہ جھیل، چاند، رات، ارمان کے ساتھ رقص، کیا وہ سب اک خواب تھا؟؟۔۔اسکا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا لیکن دھیرے دھیرے کسی حسیں فسوں کے تابع اسکا ذہن گزشتہ شب کی واردات میں لوٹ گیا اور وہ کافی دیر تک بستر میں بے حس وحرکت لیٹی ارمان کے بارے میں سوچتی رہی اور ایک مرتبہ پھر سامنے لگے وال کلاک پر نگاہ ڈالتے ہوئے بستر سے نکل کر غسل خانے میں گھس گئی۔

جب وہ غسل خانے سے باہر آئی تو کمرے کا منظر بدل چکا تھا۔وہ ارمان کو صوفے پر نیم دراز دیکھ کر چونک گئی۔اس نے اپنے گیلے بال جس انداز سے سفید تولیہ میں باندھ رکھے تھے اس میں وہ بالکل کوئی جل پری دکھائی دے رہی تھی۔ارمان کے ہاتھ میں علامہ اقبال کی کتاب 'بال جبرئیل' تھی جسے

وہ پڑھنے میں محو تھا۔ویرا اسکے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔اسکے دماغ میں وہ تمام سوالات ایک دفعہ پھر کوند آئے جن کی وجہ سے اسکا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا اور ابھی وہ سوالات

پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ ارمان نے ایک لمحہ کے لیئے کتاب سے نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا ''بہت خوبصورت لگ رہی ہو'' اور دوبارہ نگاہ کتاب پر جمادی۔

یہ سن کر ویرا کا چہراہ حیا کی سرخی سے تمتما اٹھا اور لب خود بخود مسکرانے لگے ''کسی کی خلوت گاہ میں یوں بنا اجازت داخل نہیں ہوکرتے'' اس نے شرارت سے ابرو اٹھا کر کہا

''معذرت خواہ ہوں'' ارمان کی نظریں بدستور کتاب پر تھیں

نا جانے کیوں اسکا دل اسے تنگ کرنے کو چاہ رہا تھا

''اس غلطی کی سزا ملے گی'' وہ ارمان کے ہاتھوں سے کتاب اچکتے ہوئے مسکرائی

ارمان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی اور اس نے بھرپور نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا ''کیسی سزا''

وہ سوچ میں پڑ گئی

ارمان اپنی نشست سے اٹھا اور بالکل اسکے روبرو کھڑا ہوگیا ''میں تو پہلے ہی تم سے دوری کی سزا کاٹ رہا ہوں، میں تو۔۔''

ویرا اسکے ہونٹوں پر کتاب رکھ کر آنکھوں میں یکدم اترتی ہوئی اداسی دیکھ کر پریشان سی ہوگئی۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس نے ارمان سے کچھ سوالات کرنا تھے۔۔ دونوں چند لمحوں تک ایک دوسرے کی نگاہوں میں دور تک ایک ساتھ چلتے رہے اور جب کمرہ کا سناٹا گہرا ہوگیا تو ویرا نے لب کھولے ''کاش یہ وقت تھم جائے۔ کاش''

''کاش۔۔۔'' ارمان کو یہ لفظ نشتر کی طرح کاٹ گیا۔ اس نے اپنے لبوں پر رکھی کتاب کو اسکے ہاتھوں سمیت تھام کر اپنے سینے پر جمادیا۔ ویرا اسکی گرم سانسوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی لیکن ارمان کی نگاہوں سے برفانی ہوا چھن چھن کر اسکے تپتے جذبات کو سرد کر رہی تھی۔ اسکے ان چھوئے کنوارے ہونٹ زندگی میں پہلی مرتبہ گناہ وثواب

کے سرد خانے سے آزاد ہو کر "من مانی" کی آگ پر سلگ رہے تھے لیکن ارمان کے لب کسی بت کی مانند اپنی جگہ جامد تھے۔آگ بجھانے کی جرئات سے عاری! ویرا کے جسم کی آنچ اسکے ملبوس کی خوشبو میں شامل ہو کر کمرے کی فضا میں پھیل چکی تھی۔کمرہ کا موسم بدل رہا تھا وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ روحیں جذبات سے خالی ہوتی ہیں یا پھر۔۔بدلتے موسم کا اثر بالآخر ارمان پر ہونے لگا اسکی آنکھوں میں برفانی ہوا کا دروازہ بند ہو گیا اور اسکی جگہ برف پگھلنے کا سماں بندھ گیا۔دو آنسو تیزی سے اس کے گالوں پر رینگ کر ویرا کے ہاتھوں پر گرے۔اسکے جامد ہونٹوں میں جنبش ہوئی اور ویرا کے ماتھے پر ثبت ہو گئے۔اس نے آنکھیں موند لیں اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس ایک بوسے میں اسکے جذبات کی ساری تپش سمٹ گئی ہو۔ارمان کے سینے پر دھری اسکے ہاتھون پر غم کی بارش جاری تھی جب کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے دونوں ہاتھوں کو سامنے ہوا میں معلق پایا۔۔

ارمان جا چکا تھا!

اچانک کتاب اسکے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جا گری اور اس میں سے ایک کاغذ نکلا۔اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کاغذ کو کھول کر اس پر لکھی تحریر کو پڑھا "میں آج دوپہر تمھارا ہیلپ کیفے کے باہر منتظر رہوں گا"۔اس نے کاغذ کو اپنے بھیگے ہوئے ہاتھوں میں سمیٹ کر لبوں سے لگا لیا!!

دو بجنے سے ذرا پہلے وہ گھر سے نکل کر کیفے کی جانب چلنے لگی۔نومبر کی ٹھٹھری ہوئی اجلی دھوپ میں زمین پر بکھرے درختوں کے زرد پتے طلائی اوراق کی طرح چمک رہے تھے۔گزشتہ شب پڑنے والی بارش کی پھوار سے شارع کے ساتھ مٹی والا حصہ نم تھا۔اس نے اپنے دونوں بازو کالی شال کے اندر دبا رکھے تھے۔کیفے کے پاس پہنچ کر اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن ارمان کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔اس نے کلائی پر باندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ کی

تو وہ دو بجکر پانچ منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے صنوبر کے درخت تک آئی کیفے کے دروازے پر اسے حلیم خان نظر آیا اس نے اپنے ایک ہاتھ کے اشارے سے ویرا کا حال چال پوچھ کر اسے کھانے کی دعوت دیتے ہوئے اندر آنے کو کہا لیکن ویرا نے اشاروں میں اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے بتایا' کہ وہ کھانا کھا چکی ہے اور اب اسے کسی دوست کا انتظار ہے' حلیم خان انگلشت شہادت اور انگھوٹے کی مدد سے OK کا اشارہ بنا کر مسکرا دیا۔

ویرا کو بے چینی ہونے لگی وہ اضطراب میں دانتوں سے اپنے ہونٹ چباتے یونہی ٹہلتے ہوئے صنوبر کے درخت کی اوٹ میں ہوگئی۔ کیفے کے باہر یوں تنہا کھڑا ہونا اسے سخت برا معلوم ہو رہا تھا۔ اسی اضطرابی کیفیت میں یکا یک اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر کوہِ مہر در کی جانب اٹھ گیئں۔ مہر در کی فلک بوس چار چوٹیاں اسے چہار کوہان والے اونٹ سے مشابہہ لگیں۔

''اسی پہاڑ کے پیچھے سے روزانہ صبح چمکتا ہوا سورج نکل کر کوئٹہ شہر کے آسمان پر اپنے سفر کو نکلتا ہے

۔۔مہر در یعنی سورج کا دروازہ۔۔واہ'' اس نے سوچا'' طلوع آفتاب کا منظر کتنا دلکش ہوتا ہوگا جس سے میں کبھی بھی لطف اندوز نہ ہوسکی کتنی بد نصیبی کی بات ہے'' وہ سوچ میں ڈوبتی چلی گئی'' نا جانے ہم کیوں اپنے اردگرد پھیلے ہوئے دلفریب مناظر پر توجہ نہیں دیتے یا پھر ہماری نگاہ میں انکی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، بہر حال مناظر کا کیا جاتا ہے بد نصیبی تو ہماری نگاہوں کی ہے''

ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھی کہ ارمان نے عقب سے آکر اسکی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی'' مہر در سے نیچے اتر آؤ''۔ ویرا کو جیسے ہوش آگیا ابھی وہ پلٹ کر اس سے مخاطب ہونا

ہی چاہتی تھی کہ ارمان کا ہاتھ پیار سے اسکی آنکھوں پر جم گیا۔اور وہ ساکت ہو کر اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی اسکی سانسیں اور دھڑکنیں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگیں اسے اپنے آلہء سماعت کو پگھلاتی ہوئی ارمان کی سرگوشی سنائی دی ''چلیں؟''

''کہاں تھے تم'' اس نے تنک کر کہا ''اتنی دیر سے بے وقوفوں کی طرح کھڑی تمھارا انتظار کررہی تھی''

''یہیں تھا تمھارے آس پاس''

''آس پاس کیوں؟ سامنے کیوں نہیں؟''

''تم سے چھپ کر تمھیں بہت غور سے دیکھ رہا تھا'' ارمان کے لب اسکے کان کے بالکل قریب حرکت کررہے تھے اور اسکا دایاں ہاتھ ویرا کی آنکھوں پر جما ہوا تھا

''کیوں؟ اسکی کوئی خاص وجہ'' ویرا کا غصہ یکدم بناوٹی ہو گیا

''خوبصورتی کو دیکھنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے''

ویرا کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا اور اب کے اس نے کہا ''چلیں''

ارمان نے چند لمحوں کے بعد اسکی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تو منظر یکسر بدل چکا تھا

''او میرے خدایا'' ویرا کو یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ دونوں اس وقت کوہِ مہردر کے وسطی دامن کے اوپر کھڑے تھے۔کوئٹہ شہر کا ہلکا دھندلا منظر ان کے سامنے تھا۔زندگی میں پہلی مرتبہ ویرا اتنی بلندی سے شہر کو دیکھ رہی تھی۔تھوڑی دیر تک وہ محوِ حیرت شہر کا بغور جائزہ لیتی رہی اور پھر کسی بچے کی طرح اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگی ''ارمان، مجھے میرا مکان ڈھونڈ کر دکھاؤ نا پلیز''

''خود تلاش کرلو'' ارمان نے مسکراتے ہوئے اسکی کیفیت کا جائزہ لیا اور شہر کی طرف دیکھا ''آج تو ویسے بھی شہر کا منظر کل شب ہونے والی بارش اور ابھی اس چمکتے ہوئے سورج

کی وجہ سے قدرے صاف دکھائی دے رہا ہے ورنہ تو گاڑیوں کے دھوئیں اور گرد و غبار کے دبیز بادلوں میں کچھ بھی دیکھنا محال ہوتا ہے''

''دوربین کے بغیر اپنا مکان تلاش کرنا ناممکن ہے'' ویرا نے ہار مانتے ہوئے کہا

''وہ شارع زرغون ہے نا'' اچانک اس نے بچوں کی طرح اچھلتے ہوئے انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا ''وہ کنٹونمنٹ کا ایریا ہے یہیں کہیں کل شام ہم ٹہل رہے تھے''۔ اسکا ہاتھ سامنے نیچے کی جانب ہوا میں معلق تھا اور وہ کوئٹہ شہر کو گویا نئے سرے دریافت کرنے پر تلی ہوئی تھی'' وہ لیاقت بازار۔ جناح روڈ۔ اف کتنا آلودہ منظر ہے'' اسکے چہرہ پر پھیلی خوشی میں یکدم کوفت کے آثار نمودار ہو کر غائب ہو گئے۔ اس نے شہر کے آخری حصہ کی جانب نگاہ کی'' سریاب روڈ۔ بلوچستان یونیورسٹی'' اس نے

گردن گھما کر ارمان کی جانب دیکھا'' تم نے یہیں سے ایم۔ اے کیا تھا نا ارمان''

''ہاں یہیں سے'' اسکی آواز میں اداسی کا ہلکا رنگ تھا

ویرا نے اداسی کو محسوس کرتے ہوئے اسکا ہاتھ تھام لیا اور چہرہ بائیں جانب گھما کر اشارہ کیا'' وہ مری آباد۔ ہائے کتنے خوبصورت معلوم ہو رہے ہیں پہاڑ کے دامن میں بنے ہوئے یہ مٹی کے گھروندے''

ارمان نے سر ہلایا'' ہاں''

''اور وہ علمدار روڈ'' ویرا نے روڈ کے اوپر اپنی انگلی لہراتے ہوئے کہا۔'' میزان چوک۔ بلدیہ پلازہ، کتنی بلند عمارت ہے اور اس وقت ماچس کی ڈبیا سے بھی چھوٹی دکھائی دے رہی ہے''

''حالانکہ کوئٹہ جیسے زلزلہ زون شہر میں بلند عمارتیں بنانے پر پابندی ہے'' ارمان نے افسوسناک لہجے میں کہا'' کتنی عجیب بات ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کا

سامان تیار کرتا ہے۔ یہ بلند و بالا عمارتیں اور گلیوں میں تین تین منزلہ مکانات ہتھیار ہی تو ہیں جو کسی بھی زمینی جھٹکے سے انسانی جانوں کو تباہ برباد کر کے رکھ دیں گے کسی کو صفحہء ہستی سے مٹا دیں گے اور کسی کو اپاہج۔۔" وہ اس سے آگے کچھ کہتے کہتے رک گیا

ویرا کی نگاہیں جھک گئیں۔ ارمان نے فوراً اسے بہلانے کی غرض سے شہر کے رہ جانے والے حصوں کی جانب اشارہ کیا "اس طرف تو دیکھو۔ کاسی روڈ۔۔پشتون آباد۔۔سیٹلائٹ ٹاؤن اور وہ ایسٹرن بائی پاس۔۔" ارمان کا ہاتھ ہوا میں لہرا رہا تھا "اور وہ اس طرف۔۔" ہاتھ دائیں جانب گھوم گیا "نواکلی۔۔جناح ٹاؤن۔۔شہباز ٹاؤن۔۔بی۔ایم۔سی کمپلیکس" اسکا بایاں ہاتھ ویرا کے ہاتھ میں اور دایاں ہاتھ ہوا کے کینوس پر کوئٹہ شہر کی ڈرائنگ میں مصروف تھا لیکن ویرا کی نگاہیں ایک جگہ ٹکی ہوئی تھیں۔ اسکی آنکھیں خوف اور اداسی کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھیں۔ ارمان نے اسکی نگاہوں کا تعاقب کیا تو کوئٹہ شہر کے اندر بسے ہوئے شہرِ خاموشاں 'کاسی قبرستان' پر جا ٹھہریں جہاں ہزاروں دیگر دنیا سے کوچ کر جانے والوں کے ساتھ ویرا کے ماں باپ اور اسکے بھائی کی قبریں بھی موجود تھیں۔

ارمان نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اسکے گال پر رکھتے ہوئے چہرہ اپنی طرف گھمایا "مجھے تمھارے دکھ کا اندازہ ہے" اس نے نرم انداز میں اسے مخاطب کیا "لیکن اگر تم یونہی اداس رہی تو میں تم سے زیادہ اداس ہو جاؤں گا اور اگر میں تم سے زیادہ اداس ہو گیا تو میں یہاں سے غائب ہو جاؤں گا اور تم یہاں تنہا رہ جاؤ گی۔ بالکل تنہا"۔۔ ویرا نے ابرو سکیڑ کر اسکی طرف عجیب نظروں سے دیکھا لیکن ارمان بولتا چلا گیا "اور پھر تمھیں واپسی کے لیئے رستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے شام ہو جائیگی۔ شام سے یہاں بے حد سرد ہوائیں چلنا شروع ہو جاتی ہیں اور تم اس سرد ہوا میں بالکل جم جاؤ گی اور اس کے بعد غالب گمان ہے کہ کوئی تم تمھیں اٹھا کر لے جائے۔۔" ارمان نے شرارت سے اسکی طرف دیکھا لیکن ویرا سچ مچ ڈر

گئی۔ ''مَم ؟''

''ہاں۔مَم!'' ارمان نے آنکھوں کو پھیلاتے ہوئے کہا

ویرا کے چہرہ پر بڑا سا سوالیہ نشان تھا

''سنو! میں بتاتا ہوں، یہ جو کوئٹہ شہر ہے نا، اسے انگریزوں نے hill station بنا رکھا تھا'' اس نے اپنے دونوں بازو شہر کی جانب پھیلاتے ہوئے کہا ''وہ یہاں آ کر گرمیوں کا موسم گزارتے اور

سردیوں میں برف باری کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتے۔اس شہر کو وہ ''منی لندن'' پکارتے تھے۔اس شہر میں بنا اجازت نامے کے کوئی عام آدمی نہیں داخل ہو سکتا اور خاص کر وہاں تو بالکل نہیں گھوم سکتا تھا جہاں انگریزوں کی رہائشگاہیں ہوتیں۔1935ء کے زلزلے سے پہلے یہ شہر انتہائی صاف ستھرا اور دلکش عمارتوں میں گھرا بے حد خوبصورت ہوا کرتا تھا روزانہ شہر کی شاراہوں کو پانی سے دھویا جاتا اور ٹرین کو لیور جنکشن پر جراثیم کش ادوایات کے اسپرے کے بعد کوئٹہ شہر میں داخل ہوا کرتی''

''اتنی تو مجھے بھی اپنے شہر کے بارے میں معلومات ہیں'' ویرا نے اپنا بایاں ابرو اٹھا کر کہا

''واقعی'' ارمان نے شرارت سے کہا اور پھر یک دم سنجیدہ ہو گیا ''اس زمانے کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مخلوق جسکا چہرہ عورت اور بدن جانور کا تھا پہاڑوں سے اتر کر کسی آدمی کو اٹھا کر لے جاتی اور کئی دنوں بعد اس آدمی کا پنجر پہاڑ کے کسی غار سے ملتا۔وہ اس کا سارا خون چوس لیتی اور کچھ لوگوں کی روایت کے مطابق وہ پہلے اس آدمی کے پاؤں کے تلوؤں کو اپنی زبان سے چاٹ چاٹ کر اسے ہلاک کرتی اور پھر خون پی کر اس کا پنجر وہیں کسی غار میں چھوڑ دیتی''

ویرا، ارمان کی طرف یوں دیکھ رہی تھی گویا وہ اسکے قہقہہ لگا کر یہ کہنے کی منتظر ہو کہ میں مذاق کرر ہا تھا'

لیکن ارمان نے اسی سنجیدگی سے بات جاری رکھی ''اور پھر ایک دن ایک انگریز فوجی نے اس مَم کو مار دیا۔۔۔شاید اسی لیئے لوگ اسے کوہ مہر در کی بجائے کوہ مُر دار کہتے ہیں'' اب ارمان کے لب

خاموش تھے۔

''تم سچ کہہ رہے ہو ارمان'' اس نے خوف کا تاثر چھپاتے ہوئے حیرت سے پوچھا

''بالکل سچ'' ارمان نے بے پرواہی سے کہا

ویرا نے خاموشی سے ارمان کا بازو تھام لیا۔ ہر سو خاموشی تھی۔

''تم ڈر گئی'' ارمان نے مسکرا کر پوچھا

''اس وقت میں سچ نہیں بولنا چاہتی اس لیے میرا جواب ہے، نہیں'' ویرا نے اس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا

''لیکن آج تمہیں میرے ہر سوال کا جواب سچ سچ دینا ہوگا'' ارمان نے شوخی سے کہا اور اس کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے چند قدم آگے آ کر اپنے منہ کے دونوں جانب ہاتھ رکھ کر زور سے چیخا ''تم میری کون ہو ویرا''

اس کی آواز ہلکی سی گونج کے ساتھ کوئٹہ شہر کی فضاؤں کی طرف روانہ ہوگئی۔ ارمان نے ہاتھ نیچے کر کے ویرا کی طرف دیکھا۔

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''یہ کیا کر رہے ہو''

''تمہیں اسی انداز میں جواب دینا ہوگا'' ارمان نے اسے آگے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا

''ایسا کرنے سے کیا فائدہ'' ویرا نے وہیں کھڑے کھڑے مسکراتے ہوئے پوچھا

''تم جانتی ہو کہ ازل سے آج تک جتنی باتیں، آوازیں، چیخیں، سسکیاں، دعائیں، بددعائیں وغیرہ وغیرہ انسانوں کے حلق سے نکل کر فضاء کا حصہ بنی ہیں وہ سب صدائیں اس دنیا میں

قیامت تک موجود رہیں گی'' ارمان نے فلسفیانہ انداز میں کہا ''اور میں چاہتا ہوں کہ ہماری باتیں بھی ریکارڈ ہو جائیں Loud & Clear''

ویرا خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ ارمان ایسا کیوں چاہ رہا ہے، اس وقت اسے اپنے دل کے اندر ایک ٹیس اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی مگر وہ فوراً اسے دباتے ہوئے ارمان کی خوشی میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ لمحہء موجود کی خوشی کو آنے والے کل کے دکھ کے حوالے کر کے اسے ناخوش کر دے۔

وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے چند قدم آگے آئی اور ایک نگاہ ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو منہ کے دائیں بائیں رکھ کر زور سے چلائی ''میں تمہاری ہیجان ہوں، ارمان''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے

ارمان کی آواز ایک مرتبہ پھر گونجی ''تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے ویرا''

ویرا مسکراتے ہونٹوں کے گرد ہاتھوں کا ہالہ بنا کر چیخی ''بہت! بہت! بہت زیادہ'' ہر سو بہت، بہت کی گونج چٹانوں سے ٹکرانے لگی۔ اس کی سانس ہلکی سی پھولی ہوئی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ کا رنگ پورے چہرے پر چڑھا ہوا تھا۔

''تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو ویرا'' ارمان پورا زور لگا کر چیخا

ویرا اتنی قوت سے چلائی ''اپنی زندگی تمہیں سونپ چکی ہوں ارمان'' ارمان! ارمان

ارمان کی گونج ہوا میں گھلنے لگی!

''کیا تم میرے لیے مر سکتی ہو ویرا'' ارمان بلا جھجک چلایا

ویرا نے محبت سے لبریز نگاہیں اس کی طرف اٹھائیں ''خدا کی قسم ہاں! ابھی''

''میری خاطر جی سکتی ہو''

''ہر سانس تمہارے نام کی ہے''

کوہِ مہر در میں محبت گونج رہی تھی

''میرے بعد زندگی کیسی ہوگی''

ارمان کی آواز کی گونج سے ویرا کو اپنا دل لرزتا ہوا محسوس ہوا۔اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی لیکن وہ اس کڑوے گھونٹ کو پی گئی

''بند مٹھی میں خوشبو کی مانند'' ہر طرف خوشبو مہکنے لگی

''مجھ سے جدائی سہہ لوگی''

ارمان کے سوالات تلخ ہوتے جا رہے تھے لیکن ویرا کو نا جانے کیوں جواب دینے میں لطف آ رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر موجود تمام عمر کی گھٹن کو بالآخر باہر نکلنے کا رستہ مل گیا ہو۔اپنی آواز کی گونج سن کر اسے اپنے 'ہونے' کا نشان مل گیا ہو۔

''میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی'' اسکی آواز میں کسی ان دیکھے خوف کا شائبہ تھا۔دونوں ایک دوسرے سے نگاہیں چرا کر کھڑے تھے۔اس کی نظریں شہر کی جانب تھی، چند لمحوں کی خاموشی جان لیوا ہو گئی۔

''حقیقت سے نظریں نہیں چرایا کرتے'' ارمان کی صدا میں شکایت تھی

''میرے لیے محبت سے بڑی کوئی حقیقت نہیں'' ویرا کی آواز پہلے کے مقابل

قدرے مدہم تھی

''تم سے جدائی میری مجبوری ہے'' ارمان کی آواز کی گونج میں پہاڑ میں شگاف کرنے جیسی قوت تھی

''مجبور لوگوں کا محبت سے کیا واسطہ'' اس کی صدا نے خود اس کے اپنے دل کو چیر کر رکھ دیا

ارمان اس مرتبہ بنا منہ کے ارد گرد ہاتھ رکھے چلایا ''محبت کو مجبوری کا دکھ کیوں محسوس نہیں ہوتا۔۔کیوں'' کیوں! کیوں! کیوں! کی بازگشت پتھروں سے سر ٹکرانے لگی۔

ویرا کی سانسیں بے ترتیب ہوتی جارہی تھیں اس کا حلق خشک اور دل میں آنسوؤں کا دریا شور مچارہا تھا وہ بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے چیخی ''محبت کے اپنے دکھ کم تو نہیں ہوتے۔۔'' آواز گلے میں رندھ گئی اور اس نے ارمان کا بازو پکڑ کر اس کے کاندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔

ارمان کے حلق نے بھی گویا جواب دے دیا ہو اس نے بہت آہستہ سے کہا ''زندگی کے دکھوں سے زیادہ تو نہیں''

ویرا نے اس کے کاندھے پر اپنا سر مارتے ہوئے کہا ''ہاں! ہاں! مانتی ہوں''

کوہ مہر در پر سرد ہوا کے جھونکے چمکیلی دھوپ کو لمحہ لمحہ نیچے سرکانے میں مصروف تھے۔دونوں کی آنکھوں میں شہر کا نظارہ دھندلا چکا تھا ارمان، ویرا کو اپنے پہلو میں لیے آہستہ آہستہ ایک چٹان کی طرف بڑھنے لگا ارمان نے اسے دونوں کاندھوں سے تھام کر آرام سے چٹان پر بٹھایا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس نے ویرا کی شال کو کھول کر اس کا دوسرا سرا اپنے شانوں پر پھیلا دیا، ویرا نے ایک مرتبہ پھر اس کے کاندھے پر سر

رکھ دیا اس کے بال ارمان کے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد ارمان نے نہایت پیار سے اسے مخاطب کیا" ویرا! کبھی تم نے کسی پتنگ باز کو اپنی پتنگ ہوا کے حوالے کرتے اور پھر اسے دور بہت دور آسمان کا رنگین ستارہ بنتے ہوئے دیکھا ہے"

ویرا نے کوئی جواب نہیں دیا

''اس کا چہرہ خوشی' فخر' احساس برتری سے سرشار ہوتا ہے۔وہ ایک ہاتھ سے اپنی پتنگ کو کبھی دائیں کبھی بائیں غوطے دے کر سینہ پھولاتا ہے اس وقت اسے محسوس ہوتا ہے کہ پورے شہر میں اس سے بڑا پتنگ باز اور کوئی نہیں لیکن جب پتنگ کٹ کر اس کی نگاہوں کے سامنے نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو جاتی ہے تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر باقی ماندہ کٹی ہوئی ڈور کو دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف کھینچ کر اسے چرخی پر لپیٹنا شروع کر دیتا ہے، اسے پتنگ کے کٹ جانے کا دکھ ضرور ہوتا ہے لیکن وہ یہ جانتا ہے کہ یہی ڈور دوبارہ کسی نئی پتنگ کو ہوا میں اڑانے کا سہارا بنے گی اگر ڈور نہ رہی تو ہزار ہا پتنگوں کے ہونے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔اسی طرح انسان بھی کٹ جایا کرتے ہیں لیکن اس سے محبت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس کی یادوں کی ڈور کو زیادہ سے زیادہ اپنے دل کی چرخی پر لپیٹ لیں یادوں کی ڈور پاس ہو تو آسمان کبھی محبت کی پتنگوں سے خالی نہیں ہوتا ،ڈور مضبوط ہو تو تیز ہوا بھی اس کے ہاتھ سے پتنگ کا دامن نہیں چھڑا سکتی۔وصل کے لمحات ہی فرقت کی یادوں کو جنم دیتے ہیں، ہر آنے والا لمحہ، لمحہء موجود کو یاد کی وادی میں دھکیل کر نمودار ہوتا ہے۔ہم بھلے اس صدی کے انسان ہیں لیکن ہماری ذہن میں ایستادہ یادوں کے شجر کی جڑیں لاکھوں کروڑوں سالوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ہم اگر سوچنے بیٹھیں تو عقل دیوانگی اور کفر کو چھونے لگے ،انسان کا سکون اسی میں ہے کہ وہ ماضی قریب کی یادوں سے مستقبل قریب کی پتنگ کو سہارا دے''

''یادیں اذیت ناک ہوتی ہیں'' ویرا کے لب ہولے سے کھلے

ارمان نے خاموشی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا ''تم اگر مجھے کوئی بے وفا سمجھ کر یاد رکھو گی تو ساری عمر واقعی ہی اذیت میں کٹے گی اور اگر مجھے صرف اپنا ہمجان سمجھ کر میری رفاقت کو یاد کرو گی تو میری محبت تمہیں قدم قدم پر سہارا دے گی، میری یاد تیز ہوا میں بھی تمہارا دامن نہیں چھوڑے گی، بالکل اسی طرح جیسے تمہاری یاد اب حشر تک مجھے عالم ارواح میں سرشار رکھے گی''

پہاڑ پر بہت سناٹا تھا۔ دھوپ اپنی چادر سمیٹنے میں مصروف تھی کہیں دور درہ سے کوئی آواز خاموشی پر یوں گرتی جیسے گرم زمین پر پانی کی بوند ٹپکتے ہی غائب ہو جاتی ہے۔

تنہائی اور روحانیت کا واسطہ پہاڑوں سے منسوب ہے شاید اسی لیے انسان نے جتنی بھی دنیاوی ترقی میں کمال وعروج حاصل کیا ہے وہ زمینی علاقوں میں منتقلی کے بعد کیا ہے آج بھی انسان اپنے اندر گھٹن محسوس کرتا ہے، شہروں اور دیہاتوں میں ہمہ وقت مصروف رہ کر تنگ آ جاتا ہے تو اسے پہاڑوں کی یاد ستاتی ہے وہ نا دانستہ طور پر پہاڑوں کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کی روح کو تازگی درکار ہوتی ہے جسم کے تقاضوں کو پورا کرتے کرتے انسان روح کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے اور جب روح اس سلوک سے تنگ آ کر چیختی ہے تو وہ آدمی کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اسکے تقاضوں کی طرف بھی توجہ کرے، ایسے میں آدمی پہاڑوں کا رخ کرتا ہے پہاڑوں پر جا کر لوگ خود کو آزاد اور خوش محسوس کرتے ہیں درخت پھول پودے جنگلی حیات چٹانیں اور نگاہوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر ان کی روح تسکین پاتی ہے وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہیں پہاڑوں کو دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی اس آرزو کے در پردہ یہ سائیکی کارفرما ہوتی

ہے کہ چوٹی سر کرنے کے بعد جب وہ وہاں سے نیچے کا نظارہ کریں تو انہیں تمام دنیا بونی نظر آئے، حقیر چیونٹیوں کی مانند رینگتے ہوئے لوگ اور ماچس کی ڈبیوں کی مانند بڑی بڑی عمارتیں جبکہ کچھ لوگ چوٹی پر پہنچ کر اپنے ہاتھ سے آسمان کو چھونے کی کوشش کرتے ہیں دل ہی دل میں یہ سوچ کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھ کر دعا مانگنے کی بنسبت اس وقت وہ خدا کے زیادہ قریب ہیں۔ جیسی روحیں ویسی آرزوئیں!

شور کے مارے ہوئے لوگوں کو پہاڑوں کی گود میں سکون ملتا ہے، پریشان حال، بیمار، اداس، دنیا کے جھمیلوں میں جکڑے ہوئے لوگوں پر پہاڑوں کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے، تنہائی کی تلاش میں جانے والوں کو پہاڑ اپنا دوست بنا لیتے ہیں جبکہ خوشی کے متلاشی کو روحانی خوشیوں سے مالا مال کرتے ہیں، محبت کے ڈسے ہوئے لوگوں سے وہاں اپنی ذات سے ملاقات ہوتی ہے اور اپنی ذات کی تلاش میں جانے والوں کی خدا سے!

پہاڑوں سے عشق کرنے والے جانتے ہیں کہ پہاڑوں کے لبوں پر ''اقراء'' ''اقراء'' کا ورد جاری ہے۔ پہاڑ انسان سے مخاطب ہیں ''اقراء''۔۔ پڑھ اور زمین پر کھڑے ہو کر میری جانب نگاہیں اٹھا، میری بلندی کے بارے میں سوچ اور پھر میرے خالق کی قدرت میں گم ہو جا، اسکی عظمت کا معترف بن کر زمین پر نگاہیں جھکا کر چل۔۔ ''پڑھ'' اور اس دنیا کو وہاں سے دیکھ جہاں سے میں دیکھتا ہوں، تجھے یہ حقیر اور بہت محدود دکھائی دے گی اور یہی اس کی حقیقت ہے۔۔ ''پڑھ'' اور سوچ کہ کس نے تجھے اس قابل بنایا کہ آج تُو نے میرا غرور توڑ رکھا ہے، میرے سر پر تیرے پاؤں ہیں، کوئی ہے جو خدا کے سوا غرور کر سکتا ہے تُو یا میں؟۔۔ ''پڑھ'' اور میری طرح پُرسکون ہو جا، پھر جو بھی تیرے اندر چھپے علم کو حاصل کرنا چاہے اس پر میری طرح اپنے پوشیدہ

خزانوں کے منہ کھول دے، طالب علم کی طلب کو پورا کر کے امر ہو جا۔۔ ''پڑھ'' اور زمین پر سجدہ کرنا سیکھ ورنہ میری طرح پتھر بنا دیا جائے گا۔

ویرا کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو خشک ہو چکے تھے اس کے گیلے ہونٹ گلابی ہو رہے تھے وہ سیاہ زلفوں میں اپنا سفید چہرہ چھپائے ارمان کے شانے کے ساتھ آنکھیں موندے چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارمان'' اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں

''ہاں''

''معذور فرد کیوں اس بات پر مطمئن نہیں ہو جاتا کہ وہ محبت کا نہیں صرف ہمدردی کا مستحق ہے، وقتی طور پر کی جانے والی ہمدردی۔ ایسا کیوں ارمان۔ کیوں''

''محبت کی بارش تو زمین پر یکساں برستی ہے، وہ نہیں دیکھتی کہ اس کا قطرہ کسی کانٹے پر گر کر فنا ہوا ہے یا کسی پھول کی آغوش میں ٹپکا ہے، یہ تو ہم انسان ہیں جو اپنی انا اور مجبوریوں کے حصار میں اس وقت خود کو اس سے محروم کر لیتے ہیں''

''نہیں، ایسا نہیں ہے، تم غلط کہہ رہے ہو، بے بنیاد بات، بے کار تسلی''

''ویرا، تم۔۔۔''

''کبھی تم نے وہ بنجر زمینیں، تپتے ہوئے صحرا، خشک چٹیل بے آب وگیاں جگہیں نہیں دیکھیں جنہیں خدا نے بارش سے محروم کر رکھا ہے، سالوں بعد ذرا سی بارش کا لمس چکھنے والے معذور خطے، اتنی ذرا سی بارش کے حد نگاہ پھیلی ہوئی دراڑوں کے منہ بھی پانی سے نہیں بھر پاتے اور بارش اگلے دس، بیس، چالیس، پچاس اور کبھی کبھی صدیوں تک لوٹ کر نہیں آتی'' اس کا لہجہ اچانک کڑوا ہو گیا تھا۔ اس کا جسم دھکنے لگا جس کی تپش ارمان اپنے ہاتھ میں رکھے اس کے ہاتھ میں محسوس کر رہا تھا۔

''محبت میں سے ہمدردی نکال دو تو خود غرضی رہ جاتی ہے ویرا'' ارمان نے آہستہ سے کہا ''محبوب کے ساتھ صرف خوشی بانٹنا اور اس کے درد کو نظر انداز کر دینا کہاں کی محبت ہے، اس کے جسم کو سیراب کر کے اس کی روح کو پیاسا رکھنا ہوس کہلاتا ہے، محبت نہیں، ہمدردی کرنے والا شخص درحقیقت تم سے ایسی محبت کر رہا ہوتا ہے جس کا تعلق خالصتاً روح سے ہوتا ہے، بناوٹ سے یکسر پاک لیکن چونکہ ہم ایسے معاشرے میں رہتے ہی جہاں جھوٹ، منافقت اور بناوٹ کا دور دورہ ہے اسلیے ہم ایکدوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کسی کا خلوص بھی ہمیں اس وقت تک ہضم نہیں ہوتا جب تک ہم کسی وجہ سے مجبور نہ ہوں یا پھر جب تک ہمارے اندر سے ''قبول کرلو'' کی آواز نہیں آتی''

''تمہیں نہیں پتہ۔ تم کچھ نہیں جانتے، ہر شخص مجبور ہوتا ہو گا لیکن ایسی مجبوری جسے معاشرہ 'معذوری' کے زمرے میں ڈال دیتا ہے اس کے ساتھ ساری عمر زندہ رہنا بہت تکلیف دہ عمل ہے، ساری زندگی کی سزا ہے، پل پل پھانسی پر ٹانگنے والی نظریں کیسی ہوتی ہیں تم کبھی نہ جان پاؤ گے، سانس لیتے ہوئے انسان کو زندہ لاش سمجھ کر کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرنے والے لوگوں سے کب تمہارا واسطہ پڑا ہے، ایسے المیوں کے کرب سے تم کب آشنا ہو؟ پاگل ہیں وہ سب معذور افراد جو محبت کی بات کرتے ہیں، انہیں تو پہلے اس بے حس معاشرے میں خود کو انسان تسلیم کروانا ہو گا، کتنے ظلم کی بات ہے نا ارمان، کہ انسان خود کو انسان تسلیم کروانے کی جنگ لڑ رہا ہے اور وہ بھی انسانوں کے خلاف'' وہ اپنے درد کی شدت کے ساتھ سفر میں تھی ''مجھے محبت چاہیے ارمان، خالص جذباتی محبت، جو میرے خوابوں کے گلشن پر تیز بارش بن کر برسے، میرے تانبے جیسے تپتے جذبات کا درجہ حرارت نارمل کرے، میری محرومی کے خالی خانے میں اپنا نام لکھ کر اسے پُر کرے، جس کی خاموشی میرے لیے قابلِ فہم ہو، جسے لوگ میرے ساتھ دیکھیں تو

میری معذوری کو بھول کر میری قسمت پر رشک اور اپنے مقدر کا ماتم کریں“۔

دُور آرمی فائرنگ رینج سے رائفل فائر کی آواز ابھری اور کوہ مہر در کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر آن ہی آن میں ریزہ ریزہ ہوگئی۔ ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔

”مجھے غلط نہ سمجھنا ارمان، یہ سب نیچرل ہے اب یہ باتیں تو میں ہر کسی سے نہیں کہہ سکتی نا، ساری دنیا کو نہیں سمجھا سکتی کہ صرف قوت سماعت سے محروم ہونے کی وجہ سے میں باقی جذبات سے محروم نہیں ہوں“ اس کی آواز حلق میں ڈوب گئی۔

ارمان نے اس کا ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ سرد موسم میں اس کا ہاتھ تپ رہا تھا۔

سورج مغربی پہاڑیوں میں غروب ہونے کی تیاری مکمل کر چکا تھا ہوا میں خنکی بڑھنے لگی۔ شہر کا منظر مزید دھندلا چکا تھا کوہ مہر در کے تاج پر سورج کی روشنی کا آخری بوسہ ثبت تھا۔

”ارمان کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ تم مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چھوڑ دوں، کم از کم ٹھکرائے جانے کے دکھ سے تو نجات مل جائے گی“

”مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے تمہارے دل میں میرے لیے محبت نہیں بلکہ صرف پسندیدگی کا جذبہ ہے“

”آغاز محبت سے پہلے پسند کی ضرورت تو ہوتی ہے نا، ہم صرف اسی انسان سے محبت کرتے ہیں جو ہمارے لیے کسی نہ کسی حوالے سے اہمیت کا حامل ہو“

”ٹھیک کہا تم نے لیکن پسندیدگی کی معاملے میں ہمیشہ کچھ کھونے یا مسترد ہونے کا خطرہ رہتا ہے جیسا کہ تم میں موجود ہے“

”کیا مجھے تم سے محبت نہیں؟ میرے جذبات ڈھونگ ہیں“

”اس کا فیصلہ تم خود کرو۔۔ میں تو صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جب ہم

پسندیدگی کے جذبے کے ساتھ اپنے من پسند شخص کی جانب بڑھتے ہیں تو ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ وہ شخص ہم سے دور ہو جائے گا اور ہمیں پہلے سے زیادہ تکلیف دہ حالت میں چھوڑ جائے گا۔۔ اگر ہمیں شدید محبت ہوگئی تو وہ مر جائے گا۔۔ کتنی احمقانہ سوچ ہے کہ پھول سے صرف اس لیے پیار نہیں کرنا کہ اس نے مرجھا جانا ہے، کسی پر اعتماد اس لیے نہیں کرنا کہ اعتماد کو ٹھیس پہنچی تو تکلیف ہوگی، کسی پر انحصار نہیں کرنا محض اس واسطے کہ وہ کبھی آپ کو بے عزت نہ کردے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پسندیدگی کی قیمت تکلیف ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ جو لوگ زندگی میں رسک لینے سے ڈرتے ہیں ان لوگوں کو محبت نہیں کرنی چاہیے بلکہ شادی بھی نہیں کرنی چاہیے، بچے پیدا نہیں کرنے چاہیے، مستقبل کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے، رشتے داریوں کو ترک اور دوستوں کو خیرباد کہہ دینا چاہیے، ہر اس کام سے گریز کرنا چاہیے جس سے زندگی جاندار نمایاں اور بامعنی بنتی ہے۔۔ بھرپور زندگی تکالیف سے بھی بھرپور ہوتی ہے" ارمان جذبات کی رو میں بہہ چکا تھا "محبت کے لیے بہادری کی ضرورت ہوتی ہے ویرا، اپنی ذات کو وسعت دینے کے لیے نئے اور غیر مانوس علاقوں میں داخل ہونا پڑتا ہے، پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ محبت کے سفر میں ہمارا ہم سفر کوئی امیر ہے یا غریب' گورا ہے یا کالا' اپنا ہے یا غیر، کوئی فردِ معذور ہے یا غیر معذور۔۔ محبت ہمیں بدل دیتی ہے انجانی زمینوں پر ہم صرف محبت کا ہاتھ تھام کر ہی قدم رکھ سکتے ہیں۔ محبت میں کبھی بھی اس قسم کا خوف جنم نہیں لے سکتا اس سے پہلے کہ تم مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چھوڑ دوں گی"

"تم ٹھیک کہتے ہو" ویرا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی "لیکن شاید معذور لوگ چاہے جانے کے اس قدر متلاشی ہوتے ہیں کہ ان میں محبت کرنے کی قوت باقی نہیں

ہتی ،فاقہ زدہ بھوکے ننگے لوگوں کی طرح کھانے کی تلاش میں ادھر ادھر کریدتے
پھرتے ہیں، ان کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، کچھ بھی نہیں''

''تم کیوں میری باتوں کا غلط مطلب نکال رہی ہو''

''نہیں ارمان، میں جانتی ہوں کہ مجھ میں خالی پن بھرا ہوا ہے، ایک بے پیندہ
صراحی بھرے جانے کی خواہش میں کتنا ہی پکارے لیکن کبھی بھی پوری نہیں بھری جاسکتی
میں کبھی بھی مکمل پن محسوس نہیں کرسکتی، مجھے ہمیشہ اپنا کوئی حصہ گمشدہ محسوس ہوتا رہے
، مجھے اس بے چارگی کے ساتھ تنہائی جھیلنی ہے''

''اگر چاہے جانا تمہارا مقصد ہے تو اسے پورا کرنے میں تم ناکام رہو گی، محبت
حاصل کرنے کا واحد طریقہ خود کو محبت کرنے کے قابل بنانا ہے''

''مجھے تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اپنی محبت کو یقینی بنانے کے لیے تم سے اپنی وابستگی کو
کیسے پختہ بناؤں بولو ارمان''

''زندگی میں ہمارا بنیادی مقصد کوشش کیے بغیر چاہے جانا ہو تو ہم کبھی بھی قابلِ
محبت نہیں ہوسکتے''

''مجھے یہ فضول کا کتابی فلسفہ نہ سمجھاؤ'' ویرا نے جھنجھلا کر کہا ''مجھے ڈسپرین جیسی
کچھ بتاؤ، جس سے فوراً میرا درد ختم ہوجائے، میری آرزو کو قرار آجائے''

''میں مانتا ہوں کہ احساس معذوری کی ایک بنیادی وجہ محبت کی عدم موجودگی
ہے''

''تو پھر مجھے محبت دو، میری روح کی پیاس بجھا کر میرے آدھے وجود کو مکمل کر
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں آجاؤ۔ تم کیسے ہمجان ہو، اتنی سی بات نہیں سمجھ
''

''محبت کا مرکز صرف کوئی ایک شخص نہیں ہوتا ویرا'' ارمان نے ذرا تیز لہجے میں کہا'' تم کچھ دیر کے لیے اس لیلا مجنوں کی رومانوی محبت سے نکل آؤ اور میری بات پر دھیان دو''

ویرا کا آنسوؤں سے تر چہرہ چاند کی روشنی میں چمک رہا تھا

''محبت کی تعریف آفاقی ہے، محبت کی بہت سی جہتیں ہیں، کسی سنگ تراش کے شاہکار مجسمے کو کیا کہو گی؟ صادقین، چغتائی گُل جی کے انمول فن پاروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ سات ہزار سال قدیم مہر گڑھ کے کھنڈرات سے نکلنے والی مورتیوں کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیا یہ بے جان چیزیں اپنے خالقوں کی محبوب نہ تھیں، کیا ان کی خوبصورتی کا اپنے خالقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا؟ کیا فطرت کے دلکش و حسین مناظر کو دیکھ کر خالق حقیقی یاد نہیں آتا؟ ساز کے تاروں سے نکلنے والی کوئی مدھر دھن ہمیں کیوں متاثر کرتی ہے؟ مسرت کے لمحوں میں آنسوؤں کا کیا کام؟ محبت کو آسان مت سمجھو ویرا، محبت صفر کی مانند ہے یہ صفر اپنے مقابل آنے والے صفر سے چاہے ضرب کھائے یا تقسیم، جمع، تفریق ہو آخر میں جواب صفر ہی آتا ہے۔۔ دو ممالک کی جنگ میں آمنے سامنے آنے والی دونوں فوجوں کے سپاہی اپنے اپنے وطن کی محبت میں سرشار ہو کر ایک دوسرے کو خون میں نہلاتے ہیں، جنگ میں مارنے والے بھی محبت میں گرفتار اور مرنے والے بھی محبت کے اسیر اور آخر میں شکست دونوں میں سے کسی بھی فوج کی ہو لیکن فتح محبت کی ہی ہوتی ہے، لاشوں پر آنسو بہانے والی بھی محبت اور جشنِ فتح میں قہقہے لگانے والی بھی محبت!''

''کیا محبت کی راہ پر چلتے ہوئے واپسی ممکن ہے ارمان، محبت ہمیں اتنا اختیار دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ سکیں؟''

''کسی چیز سے دستبردار ہونے کے لیے اس کا مالک ہونا یا اسے حاصل کرنا لازمی ہے''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے''

''کسی اور کی ذات سے محبت تک جانے والی راہ اپنی ذات کی محبت میں سے گزرتی ہے، ویرا''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے''

''ویرا، تمہیں ہر وقت یہ بات ستاتی ہے کہ تم سننے سے محروم ہو، اس لیے کوئی تم سے محبت نہیں کرتا صرف تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر تمہارے جسم تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس دنیا میں محبت کے معاملے میں بیشتر سے زیادہ لوگوں کا یہی حال ہے، جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اسے اپنی توجہ دیتے ہیں اور اپنی توجہ کو استعمال کرنے کا بہترین طریقہ 'سننا' ہے، ہم سننے میں بے شمار وقت خرچ کرتے ہیں زیادہ تر ضائع ہو جاتا ہے، بیکار، بے سود۔ جانتی ہو کیوں؟'' ارمان نے اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں کو ہلایا

''کیوں''

''کیونکہ ہمیں 'سننے' کا سلیقہ نہیں۔ ہم اپنے بچوں کو سکول میں لکھنا سکھاتے ہیں، پڑھنا سکھاتے ہیں، لکھنے اور پڑھنے میں بہت سا وقت صرف کرتے ہیں اور بولنے کا ڈھنگ سکھانے میں بہت کم محنت کرتے ہیں جبکہ 'اچھا سننے' کی تربیت بالکل نہیں دیتے، انہیں کب کسی کی بات توجہ اور صبر سے سننے کی مشق کرواتے ہیں، محبت توجہ مانگتی ہے اور ہمیں توجہ دینے کا سلیقہ نہیں آتا، پھر تم کیوں خوامخواہ خود کو محروم سمجھ کر خود کو اذیت دے رہی ہو، ہم سب محروم ہیں، جب کوئی شخص اپنے مخاطب کو پوری توجہ کے ساتھ سنتا ہے تو یہ محبت کا اظہار ہی تو ہے اور پھر تم تو ہر شخص کے ہلتے ہوئے لبوں سے پوری توجہ

کے ساتھ لفظ چن چن کر سنتی ہو۔۔تم سے بہتر محبت کون کر سکتا ہے" ویرا نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے ارمان کی طرف دیکھا "تم بہت عجیب ہو ارمان، کبھی تو مجھے محبت کے مُ سے بھی ناواقف قرار دیتے ہو اور کبھی محبت کے تخت پر لا بٹھاتے ہو"

"میری خواہش ہے کہ میری ویرا ضرورت کی محبت سے نکل کر محبت کی ضرورت بن جائے، اس کا احساس محرومی احساس زندگی میں ڈھل جائے، نظر سے ہٹ کر نظارہ بن جائے، مخلوق کی تعریف وتنقید کو نظر انداز کر کے اپنے خالق کا تعارف بن جائے"

"کیا ایسا ممکن ہے ارمان"

"خدا ہمارے وجود کا حصہ ہے ویرا، وہ ہمارے اندر مقیم ہے۔۔عظیم فلسفیوں، سائنسدانوں، مفکروں، مصنفوں، شاعروں کو کیسے اپنے سوالات کے جوابات مل جایا کرتے ہیں، یہ لوگ تنہائی میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے اندر آواز لگاتے ہیں، خدا سے مدد طلب کرتے ہیں اور پیچیدہ مسائل کا حل پاتے ہیں، باقی دنیا کی نگاہوں سے مخفی راز انہیں صاف دکھائی دیتے ہیں۔۔اگر کسی بیمار کو ڈاکٹر، حکیم، وید، سنیاسی، تعویز، دم سے شفاء نہ مل رہی ہو تو اسے چاہیے کہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے اندر رجوع کرے کیونکہ جو خدا اندر بیٹھا ہے وہ کل شیءِ قدیر ہے"

"ارمان مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میں کیسے اپنی محبت کے چھوٹے سے پرجوش دریا کا رخ آفاقی محبت کے پرسکون ساگر کی طرف موڑ دوں"

"اپنی شناخت پیدا کر کے"

دونوں کا رخ نیچے شہر کی جانب پیلی جگمگاتی روشنیوں کی جانب تھا۔ ویرا شال میں لپٹی ہوئی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی، اسکی زلفیں سرد ہوا میں لہرا رہی تھیں لیکن سردی کا احساس نہ تھا

''ویرا'' ارمان نے اسے مخاطب کیا ''خود کو کھونے سے پہلے پانا لازمی ہے ،شناخت قائم کرنے کے بعد ہی اسے اتار کر پھینکا جا سکتا ہے''

ویرا یوں ہمہ تن گوش تھی جیسے کوئی دیوداسی اپنے دیوتا کے سامنے ہو

''شکوہ کرنے والوں اور سہاروں کے متلاشی لوگوں کی شخصیت ہمیشہ ادھوری ہی رہتی ہے، لوگ کبھی بھی کسی کی ضروریات پوری نہیں کر سکتے میرے نزدیک وہ شخص معذور ہے جو اپنی مفلوج روح کا بوجھ اپنے اندر اٹھائے پھرتا ہے، جس کا دامن دنیاوی غلاظتوں سے بھرا رہتا ہے اور تم یاد رکھنا کہ جو لوگ اپنے کسی جسمانی عذر کو دیکھ کر خود کو محتاج اور اپاہج محسوس کرتے ہیں وہ اپنے ساتھ بدترین سلوک کرتے ہیں''

''میں اپنے آپ پر اختیار کیسے حاصل کروں ،مجھے آزادی کا مفہوم سمجھاؤ ارمان۔۔اس معذوری کی مہر کو اپنے ماتھے سے کیسے صاف کروں، انسان کہلانے کا سرٹیفکیٹ اس دنیا میں کہاں سے لوں''

''اس دنیا میں ہر شخص اپنی زندگی کا سفر نیلے آسمان تلے رہ کر ہی جاری رکھے ہوئے ہے اور آسمان والے کے فیصلوں کو مکمل طور پر قبول کر کے چلنے والے ہی 'آزاد لوگ' کہلاتے ہیں ،جب تک کوئی بھی شخص آسمانی فیصلوں کو صدق دل سے قبول نہیں کرتا اس وقت تک وہ اپنے آپ کو فریب خوردہ ،شکست خوردہ اور ناکارہ تصور کرتا رہے گا''

''یہ محبت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے نا، اسے پانے کی خاطر انسان اپنے آپ کو تباہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا''

ارمان نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ''محبت ایک درخت کی مانند ہوتی ہے، جو اپنی جڑوں میں زندہ رہتی ہے، بہار کے موسم میں یہ اپنی جڑوں سے نکل کر شاخوں میں نمودار ہوتی ہے لیکن یہ اس کے اظہار کا چھوٹا سا حصہ ہے جو خزاں کی آمد

کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا ہے اس لیے جب کسی سے محبت کرو تو فقط محبت کے اظہار کی ہریالی کو ہی کُل محبت نہ سمجھ بیٹھنا بلکہ اس جڑوں میں اتر کر محبت کی طاقت کا نظارہ کرنا''

خاموشی کا وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔ سرد ہوا سے آسمان میں ستارے اور کوئٹہ شہر کی روشنیاں ٹھٹھرنے لگیں۔ مری آباد کی طرف پہاڑ پر چڑھے جگمگ کرتے ہوئے گھروندوں کے اوپر سرد چاند نمودار ہو چکا تھا ہوا میں چاندنی گھلی ہوئی تھی۔ کوہ مہر در کی آغوش میں محبت اداس تھی!

''ویرا'' ارمان نے لب کھولے تو ویرا نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا ،شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ ارمان اب کیا سمجھانا چاہتا ہے، وہ جانتی تھی کہ اسے جانا ہے اور وہ جانا چاہتا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے انکار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''کاش کہ میرا جدا ہونا میرے اختیار میں ہوتا ویرا، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے'' ویرا کی آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر آہستہ آہستہ گالوں پر بہنے لگی اور ارمان کا دامن بھیگ گیا

''تمہیں میری زندگی میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا ارمان، اگر آ ہی گئے تھے تو یہ نہیں بتانا چاہیے تھا کہ تم میرے ہمجان ہو، یہ کیا ظلم کیا تم نے''

''جدا میں نے ہونا ہے تم نے نہیں ویرا، زندگی میری ختم ہوئی ہے تمہاری نہیں تمہارا ہمجان مرا ہے تم نہیں، کیا ہوا اگر تمہارے نصیب میں لکھا شخص تم کو نہیں مل سکا لیکن وہ شخص جس کے نصیب میں تم لکھی ہو وہ تمہیں ضرور ملے گا، ایک انسان سے دوسرے انسان سے منسلک، ایک محبت سے دوسری محبت سے بندھا ہوا یہ نصیب کا جال پوری کائنات پر پھیلا ہوا ہے''

یہ کہتے ہوئے اس نے ویرا کو خود سے علیحدہ کیا اور چٹان پر کھڑا ہو گیا اس کا رخ شہر

کی جانب تھا، روشنیوں میں بھیگا ہوا شہر۔۔ ویرا کے آنسوؤں میں ڈوبا ہوا شہر۔۔

سرد ہوا میں تیزی آ چکی تھی۔

ارمان نے اپنے دونوں بازو ایک مرتبہ ہوا میں بلند کیے اور آنکھیں موند کر کہا" اب مجھے اجازت دو ویرا"

ویرا گھٹنوں کے بل اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔۔ اس کے بال ہوا کے ساتھ لہرا رہے تھے۔۔ سیاہ شال اس کے بدن سے کسی غم گسار کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔۔ آنسوؤں سے اس کا سارا چہرہ بھیگ چکا تھا۔۔ اس کی سسکیاں کوہ مہر در کی سنگلاخ چٹانوں میں دراڑیں ڈالنے لگیں" نہیں تم مجھے نصیب کا کھلونا دے کر نہیں جا سکتے ،پلیز، میں مر جاؤں گی"

ارمان کے چہرے پر پہلی مرتبہ افسردگی کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا" نصیب کو آنسوؤں کے ذائقے سے آشنا مت کرو، اسکی پرورش مسکراہٹوں میں کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے"

"میں اس نصیب کو کیسے اپنی مسکراہٹ دے دوں جو میری نگاہوں کے سامنے میری خوشیاں چھین رہا ہے"

ویرا کی شدت جذبات سے رندھی ہوئی آواز سن کر اچانک ارمان کی بند پلکوں سے آنسوؤں کے دو قطرے برآمد ہوئے" ویرا میں تمہارے نصیب کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتا سکتا جو میں جانتا ہوں، کیونکہ میں مجبور ہوں بس اتنا جان لو کہ بہت جلد کسی صبح کا سورج تمہارے زخموں کے لیے مرہم لے کر مہر در کے عقب سے طلوع ہوگا اور اب آنے والا کوئی دن تمہیں مایوس نہیں کرے گا"

"نہیں، مجھے جاننا ہے، مجھے یہ جاننا ہے کہ تمہارے بعد میرا کیا ہوگا، مجھے یہ بتاؤ کہ

تمہاری جدائی کا روگ کب میرے اندر کینسر بن کر مجھے فنا کرے گا، مجھے بتاؤ، مجھے سب جاننا ہے ارمان" ویرا نے بھیگا ہوا چہرہ اپنی آغوش میں تھامی ہوئی اسکی ٹانگ سے رگڑتے ہوئے کہا "اس درد کو سہہ لو ویرا کہ ہر درد ایک اشارہ ہے، مقصد کی تکمیل کا اشارہ، بھٹکے ہوئے مسافروں کو صحیح سمت دکھانے کا اشارہ"

"تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو ارمان، تمہیں خدا کا واسطہ"

"کاش میں وہ سب کچھ کر سکتا جو تم چاہتی ہو لیکن۔۔"

"کیا خدا کو مجھ معذور پر۔۔"

ارمان نے قریباً چیختے ہوئے اس کی بات کاٹی "مت سناؤ مجھے یہ خود ساختہ فینومینا، جب کوئی معذور فرد یہ کہتا ہے کہ میں معذور ہوں تو دراصل وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھ پر ترس کھاؤ"

"ہاں، مجھ پر رحم کرو ترس کھاؤ پلیز"

ارمان کے آنسو اس کے گالوں پر راستہ بنا چکے تھے، وہ ہوا میں معلق اپنے بازوؤں کو نیچے کرتے ہوئے جھکا اور ویرا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر قدرے تیز لہجہ میں بولا "تم جانتی تھیں ویرا کہ میں نے ایک دن تم سے جدا ہو جانا ہے اور اسی جاننے کے خوف نے اس وقت تمہاری یہ حالت بنا رکھی ہے، کچھ باتوں کا نہ جاننا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے"

ویرا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے کر اس کی آنکھوں میں نگاہیں جما دیں اور ارمان کے آنسو اس کے چہرے پر ٹپ ٹپ گرتے چلے گئے۔۔ ویرا اس کے چہرے کو آہستہ آہستہ اپنے چہرے کی جانب کھینچنے لگی۔۔ جہاں دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی حرارت میں مدغم ہونے لگیں اس نقطہ پر ارمان نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا لیکن ویرا کی آنکھوں میں

محبت کا وہ انگارہ دہک رہا تھا جسے کسی کے قرب کے بنا بجھانا مشکل تھا۔۔بھیگی ہوئی آنکھوں میں لپکتی ہوئی آگ کا منظر۔۔کتابوں میں پڑھے ہوئے جذبات کو چھو کر دیکھنے کی آرزو۔۔احساس محرومی سے چھٹکارے کا ایک تجربہ۔۔ازل سے چلی آنے والی کشش میں بندھے ہوئے نیگیٹیو اور پازیٹیو چارج۔۔ویرا اور ارمان۔۔احساس محبت کے تابع احساسِ محرومی کی دھند میں احساس گناہ فراموش۔۔وصال کے آخری لمحوں میں ہجر کا اولین بوسہ۔۔بہتے ہوئے چہروں کے بیچ سلگتی ہوئی آرزوئیں بجھنا چاہتی تھیں۔۔کوئٹہ شہر کی جانب خوشبو میں لپٹی نم آلود ہواؤں کا کاروان روانہ تھا، چاند، مہر در کے تاج پر اپنی ٹھوڑی کو ٹکائے پلکیں جھپکانا بھول چکا تھا، کاش شہر سے کوئی دیکھ پاتا کہ دور، بہت دور کوہسار نے آسمان کے لبوں پر اپنے لب رکھے ہوئے تھے!!

☆☆☆

بلوری محل کی دیوی

ہسپتال میں بیمار خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

غفران ایک بیساکھی کا سہارا لیے ہوئے اپنے قدموں پر آہستہ سے چلتا ہوا ڈاکٹر قدرت کے کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر اپنی نشست سے اٹھ کر اس سے بغل گیر ہو گیا ۔۔غفران کا چہرہ ایک نئی زندگی کی روشنی سے دمک رہا تھا اور ڈاکٹر کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جیسے کڑی محنت کے بعد اپنے تخلیق کردہ مجسمے کو دیکھتے ہوئے کسی سنگ تراش کی آنکھوں میں ہوتی ہے

"آخر تمہاری ہمت اور حوصلے نے تمہاری مایوسی کو شکست دے ہی دی"

"نہیں، سر آپ کے یقین کی روشنی نے میرے اندر کی مایوسی کو مٹا دیا"

"نہیں دوست" ڈاکٹر سنجیدہ ہو گیا "ہمیں یقیناً خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہونا چاہیے" ڈاکٹر نے انگشت شہادت ہوا میں اٹھاتے ہوئے کہا

غفران نے سر کو جنبش دی "بے شک"

"بیٹھو" ڈاکٹر خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اپنی نشست پر بیٹھ گیا

"سر، میں جان بوجھ کر اس وقت آیا ہوں شام کو آپ کے پرائیویٹ کلینک پر ملنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے"

"وہ کیوں بھئی"

"آپ کے کلینک کے باہر مریضوں کا ہجوم دیکھ کر لگتا ہے کہ سارا شہر ہی بیمار ہے"

''اوہ ہو، خیر، اچھا یہ بتاؤ کہ کیسا لگ رہا ہے''

''جیسے بارش کے بعد سب کچھ دھلا دھلا سا لگتا ہے، ایک دم تازہ''

''ابھی دو ہفتے ہوئے ہیں۔۔آہستہ آہستہ یہ بیساکھی بھی چھوڑ دو گے''

''جی سر، بس انسانوں کی محتاجگی سے نجات مل گئی۔۔اللہ نے بڑا کرم کیا ہے''

''ہر انسان کسی نہ کسی حوالے سے دوسرے انسان کا محتاج ہوتا ہے۔۔ہر انسان کسی دوسرے انسان سے ابتر اور بہتر ہوتا ہے۔۔جانتے ہو کیوں''

''تا کہ کوئی انسان غرور میں مبتلا نہ ہو سکے۔۔جو لوگ خود کو مجبور سمجھ کر شکوے کرتے پھرتے ہیں۔۔اپنے سے ابتر حالت میں پڑے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر شکر ادا کر سکیں''

ڈاکٹر کے چہرے پر افسردگی چھا گئی''پتہ نہیں کیوں لوگ شکر گزاری کو بھول بیٹھے ہیں''

ذرا سے توقف کے بعد ڈاکٹر نے لب کھولے''میرا ایک مریض ہے کبیر۔۔اس کی عمر چودہ سال ہے دو سال کی عمر میں اسے ٹائیفائیڈ ہوا اور وہ اپنے ہی جسم پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھا انہیں CP Children کہتے ہیں۔۔گذشتہ ماہ کا واقعہ ہے کہ میں اسی کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ کبیر کی ماں میرے پاس افسردگی کے عالم میں آئی۔۔لیکن میں حیران تھا کہ اس مرتبہ کبیر اسکے ساتھ نہ تھا، وہ کافی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے گزشتہ روز پیش آنیوالا واقعہ بیان کیا' کہ عصر سے ذرا پہلے کبیر نے رونا شروع کر دیا۔۔میں نے اسے چپ کرانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ بدستور روئے جا رہا تھا۔۔میں نے اس کا سر دبایا پیٹ پر ہاتھ رکھ کر تکلیف کا پوچھا لیکن وہ نفی میں سر ہلائے جا رہا تھا اور آنسو اس کے گالوں پر بہے جا رہے تھے۔۔اسکا باپ مزدوری سے واپس آیا تو اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا، وہ اسے روتا ہوا وہیل چیئر پر بٹھا کر گھر سے باہر لے گیا، دکان سے آئسکریم دلائی لیکن وہ کسی صورت خاموش نہیں ہوا۔۔پھر وہ اس ارادہ سے واپس

گھر آیا کہ اسے آپ کے پرائیویٹ کلینک پر لے جائے مگر میں نے اسے یہ کہہ کر مزید پریشان کر دیا کہ آج اتوار ہے، کلینک بند ہوگا۔۔کبیر کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں اسے دورہ نہ پڑ جائے، لیکن جب خدا کو بندے پر رحم آتا ہے تو مشکلات کے حل کا رستہ خود نکل آتا ہے۔۔اسی اثنا میں کبیر کو بیت الخلاء لے جانے کا وقت ہو گیا اور وہیں اس کے رونے کی وجہ بھی

معلوم ہو گئی اس کی ران پر ایک موٹی کالی چیونٹی چپکی ہوئی تھی اور جونہی اسکے باپ نے وہ چیونٹی ہٹائی اس کے آنسو تھم گئے اور میرا بچہ بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ مسکرانے لگا!

ماجرا بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر قدرت کی افسردگی میں اضافہ ہو چکا تھا۔

''جانتے ہو اسکی ماں، سگی ماں، میرے پاس کیوں آئی تھی'' ڈاکٹر کسی اور ہی عالم میں گم تھا

غفران نے نفی میں سر ہلایا

''اس کی ماں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب میرے بچے کی زبان ہے لیکن وہ بول نہیں سکتا۔۔اپنی تکلیف بتا نہیں سکتا۔۔اس کے ہاتھ بھی ہیں لیکن اس میں انہیں استعمال کرنے کی حس نہیں ہے۔۔وہ چل نہیں سکتا بلکہ رینگتا ہے، بغیر مدد کے کھا پی نہیں سکتا۔۔ڈاکٹر صاحب آپ تو جانتے ہو کہ وہ ایک سانس لیتی ہوئی لاش ہے اور بس'۔۔اس کی ماں کافی جذباتی ہو چکی تھی، اس کے جسم میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ اور رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔۔میں نے اسے دلاسہ دیا تو وہ میرے پاؤں پڑ گئی، اس کا لہجہ ملتجانہ تھا اور مطالبہ دل ہلا دینے والا تھا''

غفران سانس روکے ڈاکٹر کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا

"وہ مجھ سے..." ڈاکٹر کا حلق جیسے خشک ہو گیا تھا اس نے گلا صاف کر کے دوبارہ بات کا آغاز کیا "وہ مجھ سے کسی ایسے انجیکشن کا مطالبہ کر رہی تھی، جس سے اس کے بچے کو اس اذیت ناک زندگی سے چھٹکارا مل سکے"

غفران کو محسوس ہوا جیسے چند لمحوں کیلئے اس کا دل کسی نے زور سے مٹھی میں دبوچ کر چھوڑا ہو

"ایک ماں اپنی جنمی ہوئی اولاد کیلئے موت کا مطالبہ کر رہی تھی"

غفران یہ سن کر کانپ اٹھا۔ ڈاکٹر قدرت نے اپنا چشمہ اتار کر ٹیبل پر کھسکا دیا اور کرسی پر پشت لگا کر آنکھیں موند لیں

"جانتے ہو میں نے کیا کیا"

غفران خاموش تھا

"اس کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ اس کا مطالبہ بھی بالکل بجا تھا اور یقین مانو ایک لمحہ کیلئے میرا دل چاہا کہ میں اسے کوئی ایسا انجیکشن یا دوا لکھ دوں"

غفران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں

"لیکن میں نے سوچا کبیر کوئی دنیا کا واحد بچہ نہ تھا اس جیسے ہزار ہا بچے اسی دنیا میں موجود ہیں جو ایک زندہ لاش کی طرح کمروں میں پڑے سانس لے رہے ہیں۔ اس کی ماں میرے سامنے اپنی غربت کو رونا رونے لگی۔ اسکا شوہر کسی دکان میں ادنیٰ سا سیلز مین تھا۔ کبیر کے علاوہ پانچ بچے اور تھے اور گزر اوقات بے انتہا مشکل سے ہوتا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی شوہر کی مرضی سے میرے پاس یہ مطالبہ لے کر آئی ہے۔ اس نے مجھے اپنی لاچاری، مجبوری کے واسطے دیئے۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ میں نے مجبوراً اپنے peon کو بلا کر اسے کمرے سے باہر کروایا اور پھر وہ اس

روز کے بعد کبھی میرے پاس لوٹ کر نہیں آئی"

ماحول انتہائی غمگین ہو چکا تھا

"دوست، اس وقت میرے ذہن میں بڑی کتابی باتیں تھیں۔۔ بڑے قصے تھے جو میں اس کی ہمت بندھانے کیلئے اسے سنا تو سکتا تھا لیکن اس وقت ایک جذباتی ان پڑھ عورت کو سمجھانے سے قاصر تھا۔۔ میرا سارا علم اور مسیحائی کبیر کی جذباتی ماں سے منہ چھپاتی پھر رہی تھی"

کمرے میں کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا گئی

"یقیناً کبیر کے جسم سے پھوٹنے والی سرخ روشنی سفید ہو چکی ہو گی" غفران کا لہجہ غم ناک تھا

ڈاکٹر نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا

"میں نے آپ سے ایک عجیب و غریب خواب کا ذکر کرنا چاہتا ہوں" غفران اپنے دونوں بازو ٹیبل پر جماتے ہوئے کہا

"کیسا خواب" ڈاکٹر نے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے استفسار کیا

"اس خواب کو دیکھے ہوئے مجھے ایک ہفتہ گزر چکا ہے"

"بیان کرو میں ضرور سننا چاہوں گا" ڈاکٹر آنکھوں پر چشمہ چڑھاتے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گیا

غفران ذرا سی دیر اپنے ذہن کو ٹٹولتے ہوئے گویا ہوا "میں نے دیکھا کہ میں آسمان کے ایک ستارے پر معذوری کی دیوی کے ساتھ بیٹھا زمین کی جانب دیکھ رہا ہوں"

"معذوری کی دیوی؟"

''جی ،معذوروں کی دیوی۔۔اس نے مجھے اپنا نام ''گالا'' بتایا تھا''

''گالا'' ڈاکٹر نے حیرت کا اظہار کیا ''میں نے اس سے پہلے کبھی معذوری کی دیوی کے بارے میں نہ کچھ سنا نہ کبھی پڑھا۔۔خیر تم اپنا خواب بیان کرو''

''گالا بے انتہا خوبصورت تھی جیسے شبنم کے قطروں سے اس کی تخلیق کی گئی ہو''

''کیا وہ خود بھی معذور تھی؟''

''اس نے مجھے بتایا کہ وہ اس روئے زمین کی پہلی معذور انسان تھی اور وہ اندھی جنمی گئی تھی۔۔ ہزاروں لاکھوں سال قبل جب وہ زمین پر تھی تو اتنی خوبصورت ہرگز نہ تھی جتنی کہ وہ اس وقت نظر آ رہی ہے۔۔اس نے بتایا کہ آدم کے خدا نے شاید ایک صنف نازک ہونے کے ناطے مجھے اس لیے معذوری عطا فرمائی تھی تا کہ میرا باپ اور چھ بھائی جنہیں مرد ہونے کے ناطے آدم کے خدا نے طاقت ور بنایا تھا میری حفاظت اور دیکھ بھال کر سکیں۔۔ مجھے آدم کے خدا کی ایک آزمائش سمجھ کر اس میں پورا اترنے کی کوشش کر سکیں۔۔لیکن ایسا نہ ہو سکا ،الٹا وہ مجھے بوجھ سمجھنے لگے بلکہ سارے قصبہ والوں کیلئے میں ایک عذاب و گناہ ایک بے جان ومحتاج سانس لیتی ہوئی مٹی کی ادھوری مورت کے سوا اور کچھ بھی نہ تھی۔۔ میری زندگی پہلے ہی سیاہی میں گھلی ہوئی تھی اس پر اپنوں کے رویوں اور سلوک نے اندھیر مچا رکھا تھا۔۔میری چار بہنیں تھیں اور چاروں بڑی ہونے کے ناطے مجھے ہر کام پر جھڑک دیتیں چنانچہ میں دن کا بیشتر حصہ گھر سے باہر قصبہ کی گلیوں میں گھومتے پھرتے لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنتے گزار دیتی۔

ایک روز دوپہر کی وقت میں اپنے ہم عمر بچوں سے جھگڑ کر روتے ہوئے گھر کی جانب دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے جا رہی تھی کہ اچانک ایک آدمی نے مجھے پیچھے سے آ کر گود میں اٹھا لیا اور میرے منہ پر سختی سے ہاتھ جما کر کہیں دور لے گیا اس وقت میری عمر

دس سال تھی اس نے مجھے زمین پر لٹا کر میرے کپڑے اتارے۔۔وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔۔میں بہت روئی چیخی لیکن آسمان اور

زمین دونوں خاموش تھے۔اس نے مجھ سے زبردستی کرنا چاہی تو میری زبان سے یہ الفاظ خود بخود جاری ہو گئے' اے آدم کے خدا!!!' یہ الفاظ میں اپنی ماں کی زبان سے اس وقت سنتی جب مجھ سے کوئی کام غلط ہو جاتا۔۔وہ آدمی جونہی مجھ پر جھکا تو اچانک زمین نے بہت زور سے ہلنا شروع کر دیا، زمین کی حرکت اتنی تیز اور شدید تھی کہ میں نے اس آدمی کو چیختے چلاتے ہوئے سنا جب کہ میں خود بھی بری طرح زمین پر اچھل رہی تھی نہ جانے کب لیکن جب مجھے ہوش آیا تو میری دنیا بدل چکی تھی مجھے سب کچھ نظر آ رہا تھا میں دیکھ سکتی تھی!

میری سب سے پہلی نظر اپنی عریانی پر پڑی میں نے فوراً اپنے کپڑے پہنے ذرا سے فاصلے پر زمین میں ایک بہت بڑا شگاف تھا۔۔میں نے شگاف میں جھانک کر دیکھا تو وہاں ایک عریاں آدمی منہ کے بل زمین میں دھنسا ہوا تھا۔۔یک دم میرے ذہن میں اپنے ساتھ ہونے والی واردات گھومنے لگی، میں نے بوکھلا کر تیزی سے ننگے پاؤں ایک سمت میں بھاگنا شروع کر دیا۔۔جب میں ایک جگہ پہنچی تو کیا دیکھا ایک بستی بالکل اجڑی ہوئی تھی، زمین میں بڑی بڑی دراڑیں تھیں، جن کے اندر سے رونے کراہنے کی آوازیں اور چیخ و پکار بلند ہو رہی تھی۔۔میرا دل خوف سے لرزنے لگا اور میں اپنی آنکھوں میں وحشت لیے ایک مرتبہ پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔۔مجھے اپنے بہن بھائی ماں باپ سب کی تلاش تھی میں روتی پکارتی اور بھاگتی جا رہی تھی کہ اچانک میں ایک شگاف میں گر گئی اور وہ شگاف اتنا گہرا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ہوا میں قلابازیاں کھا رہی ہوں۔۔مجھے آہستہ آہستہ بے حد خوبصورت مناظر آس پاس دکھائی دینے لگے،

میرے ذہن سے اجڑی ہوئی بستی کا خیال یکسر محو ہو چکا تھا۔۔ میری آنکھوں سے آنسو خشک اور دل میں ایک مسحور کن احساس ٹھہر چکا تھا۔۔ ابھی میں اسی سحر کے حصار میں تھی کہ اچانک غائب سے ایک آواز نے مجھے چونکا دیا

''تم گالا ہو''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا ''ہاں میں گالا ہوں'' حالانکہ میرا نام گالا نہیں تھا۔

لیکن اس آواز میں اتنی مٹھاس اپنائیت خلوص اور محبت تھی کہ میں اس آواز کی بندی بن گئی۔

میں اپنا نام بھول چکی تھی صرف یاد تھا تو 'گالا'

میری آنکھیں بند ہو گئیں اور جب کافی دیر بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک بلور کے محل میں پایا۔۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ آدم کے خدا نے مجھے 'معذوری کی دیوی' کا منصب عطا فرمایا ہے۔۔ میں نے خود کو آئینہ میں دیکھا تو خوشی سے سارے محل میں گنگنانے اور ناچنے لگی۔۔ میرا محل اسی ستارے پر ہے جہاں اس وقت میں اور تم بیٹھے ہیں۔۔ میں روزانہ اسی ستارے پر بیٹھ کر نیچے زمین کی طرف ان روشنیوں کو دیکھتی ہوں''

''کیسی روشنیاں'' میں نے حیرت سے پوچھا

اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا میں نے نیچے زمین کی طرف دیکھا تو مجھے ہری، نیلی، سنہری، سرخ روشنیوں کا جگمگ کرتا ہوا انبار نظر آیا۔۔ یہ ہرگز وہ روشنیاں نہیں تھیں جو کہ بنی نوع انسان نے اپنی راتیں روشن کرنے کے لیے ایجاد کر رکھی تھیں بلکہ یہ ایسی روشنیاں تھیں جن کی چمک آسمان تک بلند تھی۔

میں حیران آنکھوں سے ان روشنیوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

پھر گالا نے مجھے ان روشنیوں کے بارے میں بتایا اس نے کہا کہ "یہ روشنیاں دنیا میں موجود تمام معذور افراد کے جسموں سے پھوٹتی ہیں۔۔ ہری روشنیاں۔۔ ان معذور افراد کے جسموں سے نکلتی ہیں جن کی معذوری معمولی نوعیت کی ہے۔۔

نیلی روشنیاں۔۔ ایسے معذور افراد کی نمائندگی کرتی ہیں جو اپنی معذوری کو خدا کی رضا سمجھ کر معاشرتی رویوں کا مقابلہ کرتے ہیں ہر حال میں خوش رہنے کا فن جانتے ہیں۔۔ سنہری روشنیاں۔۔ ان معذور افراد کے جسموں سے پھوٹتی ہیں جن کی معذوری سنگین نوعیت کی ہوتی ہے وہ ایک پل مایوس اور دوسرے پل ہنسنے والے لوگ ہوتے ہیں۔

جب کہ سرخ روشنیاں۔۔ ان معذور افراد کا پتہ دیتی ہیں جو کہ اپنے گھر والوں اور پیاروں کی نفرت کا شکار ہوتے ہیں" گالا آبدیدہ ہو گئی۔

میں نے زمین کی طرف دیکھا تو مجھے سرخ روشنیاں باقی تمام روشنیوں سے بہت زیادہ جگمگاتی ہوئی دکھائی دی۔

میں اس روئے زمین کی پہلی معذور تھی جو ہمیشہ نفرت اور تفریق کا شکار رہی لیکن آج انسان چاند سے آگے نکل جانے کے باوجود جاہلانہ طور طریقوں کو ختم نہ کر سکا سائنس کے کرشمات میں گم انسان اپنی انسانیت بھی کھو بیٹھا ہے۔۔ میں نے ہر دور ہر زمانے میں معذور افراد کے اندر حوصلہ پیدا کیا ہے۔۔ ان کی ہمت کو مردہ نہیں ہونے دیا ایسی سینکڑوں مثالیں میں اس وقت تمہیں بتا سکتی ہوں لاکھوں داستانیں تمہیں سنا سکتی ہوں لیکن تم یقین شاید نہ کر سکو کیونکہ تم اس زمانہ کی پیداوار نہیں ہو انسان میں یقین اور بے یقینی کی ایک حد مقرر ہے ان حدود کو پار کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔۔ خداوند کی ایسی مثالوں کو صرف عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں!

''تم معذور افراد کیلئے کیا کرتی ہو''

''میں روزانہ زمین پر اترتی ہوں ۔۔زمین پر میرا سفر روشنی کی رفتار سے ہزار گنا زیادہ تیز ہے ۔۔میں معذور افراد کے دلوں کو محبت کے شفاف پانی سے صاف کرتی ہوں لیکن اگلے روز ان میں سے بیشتر کے دلوں پر ایک بار پھر اداسی غم اور نفرتوں کی دھول جمی ہوتی ہے اور یہ دھول ان کے اردگرد اشرف المخلوقات انسانوں کا معاشرہ اڑاتا پھرتا ہے میں روز اس دھول کو صاف کرتی ہوں کہ خداوند نے مجھے یہی کام سونپا ہے۔۔ اور جب کوئی سرخ یا سنہری روشنیاں نیلی میں بدلتی ہیں تو میں دوبارہ جوان ہو جاتی ہوں ۔۔میں ازل سے اب تک اسی طرح جوان ہوں کہ بے شک مایوس اور ستم رسیدہ لوگوں کو خوشی اور راحت دینے میں خداوند میری مدد فرماتا ہے۔۔ وہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا سب کو آزماتا ہے اور آزمائش سے باہر نکالتا ہے۔۔ سب اسی کی بادشاہت ہے اس کے ہر عمل میں ایک حکمت پوشیدہ ہے۔۔ ہر حکمت میں بھلائی کا راز پنہاں ہے''

''لیکن یقیناً تمام سنہری اور سرخ روشنیوں کے نصیب میں نیلا ہونا نہیں لکھا ہوگا ''اچانک میرے ذہن میں مایوس سوال ابھرا

''ہاں'' گالا اداس ہوگئی۔''تم نے ٹھیک کہا، جو سنہری روشنیوں والے اپنی سنگین معذوری سے ہار مان لیتے ہیں اور جو سرخ روشنیوں والے اپنے گھر والوں پیاروں اور احباب کے ناروا سلوک اور ستم در ستم سے چیختے ہیں تو ان کی چیخیں ان کی آہیں میرے بلور کے محل سے اوپر بہت اوپر ساتویں آسمان پر خدا کا عرش ہلاتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی سنہری اور سرخ روشنیاں سفید ہو جاتی ہیں''

''اس کا کیا مطلب ہوا''

گالا کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو تھے" اس کا مطلب کہ وہ معذور افراد اپنی معذوریوں، دنیا اور زندگی کے قید و بند سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گئے"

میری نگاہیں خود بخود زمین پر پھیل گئیں۔۔ میں نے دیکھا کہ کئی سرخ و سنہری روشنیاں تیزی سے سفید ہوتی جا رہی تھیں۔۔ مجھ میں گہری اداسی نے ڈیرا ڈال لیا۔

"لیکن خدا کے عرش کو ہلا دینے والے معذور افراد کی فریاد رائیگاں نہیں جاتی" گالا نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا" وہ ان سفید ہو جانے والی روشنیوں کی آزمائش ان لوگوں میں بانٹ دیتا ہے جن کے ستم آمیز سلوک۔ بے پرواہی اور نفرت کی وجہ سے اس کے بے بس بندے تکلیف میں تھے تاکہ انہیں اس انسان کے درد کا احساس ہو سکے جو کہ ان کی محبت توجہ اور حسن سلوک کا مستحق تھا اور یہی خداوند کا نظام ہے جو وہ اپنی مخلوق میں رائج رکھتا ہے"

"بے شک۔۔ لیکن ان کے لیے کیا انعام ہے، جو معذور افراد کا خلوص دل سے خیال رکھتے ہیں۔۔ انہیں اپنا جیسا انسان سمجھتے ہیں"

"جو کوئی کسی معذور فرد کی آزمائش کو اپنی آزمائش سمجھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اسے کسی انعام کی لالچ نہیں ہوتی کہ اسے خدا سکون قلب کی نعمت سے نواز دیتا ہے اور تمہاری دنیا میں اگر زندگی کے بعد کوئی نعمت سب سے بڑی نعمت ہے تو وہ سکون قلب ہے۔۔ اسی نعمت کو پانے کیلئے لوگ عبادات کا اہتمام کرتے ہیں، جنگلوں، پہاڑوں، بیابانوں میں اسی سکون کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔۔ یہ وہ نعمت ہے جو خریدی نہیں جا سکتی"

"کیا تم اس وقت میرے جسم سے پھوٹنے والی روشنی کا رنگ بتا سکتی ہو"

"زرد" گالا نے میری طرف دیکھے بغیر کہا

میں نے ایک نظر اپنی طرف دیکھا اور دوسری نگاہ زمین کی طرف ڈالی تو مجھے زمین پر زرد روشنیاں نمایاں مگر کم تعداد میں دکھائی دیں

''یہ زرد روشنیوں والے کون ہیں''

''یہ روشنی ایسے معذور افراد کی عکاسی کرتی ہے جنہیں خدا نے لاکھوں کروڑوں انسانوں سے بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہوتا ہے یہ تخلیق کے مادے سے مالا مال ہوتے ہیں لیکن اپنے باغی پن کی وجہ سے ان صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا پاتے بس خدا سے ایک ہی سوال کی رٹ لگائے رکھنا ان کا مشغلہ رہتا ہے why me, میں ہی کیوں.. کیوں مجھے ہی معذور بنایا''

''تو تم ایسے افراد کیلئے کیا کرتی ہو''

''میں ان سے ایسے کام کرواتی ہوں جو وہ نہیں جانتے کہ وہ یہ کام کر سکتے ہیں''

''مطلب کیسے کام''

''زرد روشنی کے حامل لوگ دیگر معذور افراد کیلئے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمت سے کام لیں تو مایوسی میں گھرے معذور افراد میں جینے کی تازہ امنگ پیدا کر سکتے ہیں۔۔ why me کی گردان چھوڑ کر why not me کی راہ پر چلتے ہوئے لاکھوں کروڑوں افراد کی رہنمائی کا بیڑا اٹھانے کی قابلیت ان میں موجود ہوتی ہے''

''مثلاً میں کیا کام کروں جس سے میری صلاحیتیں کھل کر سامنے آسکیں''

گالا نے اپنا چہرہ مجھ سے پھیر کر دوبارہ میری طرف دیکھا تو میں دم بخود رہ گیا ۔۔ چہرہ بدل چکا تھا اب وہ گالا نہیں بلکہ نرمین تھی اداس آنکھوں تلے۔۔ لبوں پر مونالیزی مسکراہٹ پھیلائے۔۔ میری طرف تکتی ہوئی، میری محبت۔۔

''تم نے میری بات نہیں مانی نا'' اس کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تو یوں محسوس ہوا جیسے بہار نے خزاں رسیدہ پیڑ پر اپنے ہونٹ رکھ دیے ہوں۔۔ میں اس کے لہجے کے سحر میں گرفتار ہو کر اسے آخری دم تک سننے کیلئے تیار بیٹھا تھا۔۔ الفاظ میرے حلق میں جکڑے ہوئے تھے۔۔ میں بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے جا رہا تھا کہ کہیں وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔

''جی، میری آرزو تھی کہ تم مجھ جیسے عدم محبت کا شکار، مرنے کی تمنا میں زندہ رہنے والے معذور افراد کے بارے میں کچھ لکھ کر زمانے کو دکھاتے۔۔ لیکن شاید تم میری خواہش فراموش کر چکے ہو''

اس کے لبوں کی مسکراہٹ اس کی آنکھوں کی اداسی سے دھیرے دھیرے ہم آغوش ہوتی چلی گئی۔۔ اس سے پہلے کہ میرے حلق میں اٹکے گنگ الفاظ کو زبان ملتی۔۔ میری آنکھ بجلی کے بلب کی طرح روشن ہو گئی!!

ذرا دیر تک ڈاکٹر کچھ سوچتے ہوئے سر ہلاتا رہا اور پھر یک دم کرسی سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے غفران کو مخاطب کیا ''پھر تم نے کیا سوچا؟۔۔ میرا مطلب ہے اس خواب سے کیا نتیجہ اخذ کیا''

''میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں ایک ناول لکھوں گا۔۔ میں خود کو ایسا کوئی ادیب تو بالکل نہیں سمجھتا لیکن بہر حال میں ناول لکھنا شروع کر چکا ہوں''

''Bravo, Excellent۔۔ کب تک مکمل ہو جائے گا''

''شاید تین چار ماہ میں''

اچانک ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھا کر غفران کی طرف دیکھا ''چلو''

''کہاں''

''ایک ایسی جگہ جہاں تمہاری ضرورت ہے اور یقیناً تم بھی اس جگہ کو پسند کرو گے''

''دلچسپ۔۔چلیئے''غفران نے چلنے پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا

☆☆☆

غفران جونہی ڈاکٹر کے پیچھے چلتا ہوا سیلپ کیفے میں داخل ہوا تو کیفے کے ہال میں شور برپا ہو گیا۔۔اس نے دیکھا کہ وہاں موجود تقریباً سب ہی لوگ ڈاکٹر کی آمد پر خوشی سے اپنے بازو ہوا میں لہرا رہے تھے جیسے ہر ایک کی یہ خواہش ہو کہ ڈاکٹر اس کے پاس سب سے پہلے چلا آئے۔۔غفران حیرت میں ڈوبا آہستہ آہستہ بیساکھی کے سہارے آگے بڑھتا گیا، اس کی نگاہوں کے سامنے نوجوان لڑکے لڑکیاں ہاتھوں میں چائے کے کپ تھامے وہیل چیئرز پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے!

ٹک، ٹک، کی آوازوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو قوت بینائی سے محروم افراد کی ایک ٹولی خاموشی سے اپنی سفید چھڑیوں کو زمین پر ٹٹولتی ہوئی اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔۔وہ گھبرا کر تیزی سے ایک طرف کو ہٹ کر ستون کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔۔ابھی اس کی نگاہیں اس ٹولی پر تھیں کہ اچانک ہال کے کونے سے ٹیبل پیٹنے کی آوازوں نے اس کا سر اپنی سمت گھما دیا، اس نے دیکھا کہ نوجوانوں کا ایک گروہ ہاتھوں کے اشاروں سے ڈاکٹر کے ساتھ گپ بازی میں مگن ہے، وہ کبھی خوشی سے ڈاکٹر کے ہاتھ پر تالی مارتے اور کبھی کسی بات پر زیادہ خوش ہو کر ٹیبل کی شامت لاتے۔۔کئی کرسیوں کے ساتھ اسے بیساکھیاں ٹیکی ہوئی نظر آئیں۔

''یہ واقعی ایک دلچسپ جگہ ہے''اس نے دل میں سوچا

ڈاکٹر قدرت جیسے کئی غیر معذور افراد بھی وہاں موجود تھے کچھ دیر بعد ڈاکٹر ہال کے

کونے میں کھڑا ہو گیا، اس نے بڑی مشکل سے سب کی توجہ حاصل کرنے کے بعد غفران کو متعارف کروانے لگا۔۔ غفران نے دیکھا کہ ڈاکٹر اپنی بات کے ساتھ ہاتھوں کے اشاروں سے بھی کام لے رہا تھا اور اس کا رخ اس ٹیبل بجانے والے نوجوانوں کے گروہ کی طرف تھا جب سب کو یہ معلوم ہوا کہ غفران ایک شاعر اور ادیب بھی ہے تو سب نے تالیاں بجا کر اسے گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔۔ ڈاکٹر نے سب کو غفران کی مختصر کہانی سنائی کہ کیسے اس نے اپنی نا امیدی کو اپنے یقین سے شکست دی اور آج صرف ایک بیساکھی کے سہارے اپنے قدموں پر کھڑا ہے۔

ڈاکٹر نے اپنی بات مکمل کی تو اچانک ایک فرد نابینا کی آواز ہال میں گونجی ''کیا کوئی خدا کا بندہ یا بندی مجھے غفران کے بارے میں بتائے گا کہ وہ دیکھنے میں کیسا ہے''

''کیوں بھائی ارادے کیا ہیں'' ہال کی دوسری طرف سے آواز ابھری

ہال میں قہقہے گونج اٹھے اور غفران جھینپ گیا

''ارادے نیک ہیں بھائی۔۔ بات یہ ہے کہ میں نے بچپن میں کبھی سنا تھا کہ نوجوان شاعر بڑے رومینٹک ہوتے ہیں بس یہ سننا چاہ رہا تھا کہ یہ نوجوان شاعر دیکھنے میں کیسا ہے''

ہال میں سرگوشیوں کا شور تھا۔۔

''میں بتاتی ہوں'' وہیل چیئر پر بیٹھی ایک موٹی سی خاتون نے سب کو خاموش کروایا اس کا ایک ہاتھ ہوا میں ایستادہ تھا جب کہ دوسرے ہاتھ سے وہ اپنی وہیل چیئر کو چلاتے ہوئے غفران کی سامنے پہنچ گئی۔۔ خاتون کی عمر چالیس کے لپیٹے میں تھی۔۔ اس نے پہلے غفران کو سر تا پا غور سے دیکھا اور پھر اس کی آواز ہال میں گونجنے لگی

''سرخی مائل گندمی رنگت''

ہال میں بیٹھے تمام افراد نے یک زبان ہو کر ''ماشاء اللہ'' کہا تو غفران کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔۔اس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر نے ہلکا سا قہقہ لگا کر کندھے اچکا لیے۔۔

''ہلکے گھنگھریالے سیاہ بال''

سب نے ایک بار پھر یک زبان ہو کر ''ماشاء اللہ'' کی تان لگائی۔

''یونانی دیویوں جیسے پتلے پتلے نقش''

''ماشاء اللہ''

''کالی روشن جادوئی آنکھیں''

''ماشاء اللہ''

غفران اپنے منہ کے سامنے ہاتھ رکھ کر مسکرائے جا رہا تھا

''مسکراہٹ ایسی کہ قلوپطرہ دیکھے تو فدا ہو جائے''

''ماشاء اللہ''

''ویسے مسکراہٹ والی قلوپطرہ نہیں تھی مونا لیزا تھی بی بی'' ہال کے ایک کونے سے آواز آئی

خاتون نے قہقہ لگایا ''ہاں، ہاں، ایک ہی بات ہے''

''مجسماتی قامت اُف''

''ماشاء اللہ''

''بی بی اپنے جذبات پر قابو رکھ کر بتاؤ'' اس بار دنا بینا نے خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔تمام ہال ایک مرتبہ پھر قہقہوں کے شور سے گونج اٹھا۔۔خاتون ہنستی ہوئی ایک طرف ہو گئی۔۔۔ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے غفران کو گلے لگایا۔۔ہال میں غفران کی

نگاہوں کے سامنے زندگی اپنے اصلی روپ میں موجود تھی۔۔اس کیفے سے باہر کی دنیا اسے محض ایک فریب گاہ لگنے لگی جہاں انسانیت کے علاوہ باقی سب کچھ دستیاب ہے ۔۔ہال کے شور میں بھی اسے اپنے دل میں سے گالا کی آواز سنائی دی کہ اگر روئے زمین پر خدا اور اس کی خدائی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ کہیں موجود ہے تو وہ اس ہال کے اندر ہے!

ویرا نیند سے بیدار ہوئی تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔۔اس نے دیکھا کھڑکی کے شیشے پر رات سیاہی ملنے کی تیاری میں مصروف تھی۔۔اس کی نگاہیں فوراً وال کلاک کی جانب اٹھیں جو کہ سوا چھ بجے کا وقت بتا رہا تھا۔۔اس نے اٹھ کر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن درد کی وجہ سے سر بوجھل محسوس ہوا۔۔اسے سب کچھ بہت عجیب معلوم ہو رہا تھا، وہ ایک خوف کی سی کیفیت خود پر طاری محسوس کرنے لگی۔۔اس کے ذہن پر ارمان کی جدائی کا منظر نقش تھا اور وہ اداسی میں ڈوب گئی۔۔ابھی وہ اسی طرح چت لیٹی ہوئی ارمان کے فراق کا سوگ منا رہی تھی کہ اچانک اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔۔شیزا نے کمرے میں جھانکا اور ویرا کو بیدار دیکھ کر کمرے میں آ گئی۔۔ویرا نے اسی طرح چت لیٹے اس کی طرف دیکھا شیزا اس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی اور ہاتھ سے اس کا ماتھا چھوتے ہوئے اسے مخاطب کیا ''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے نا''

ویرا نے آہستہ سے 'جی' کہا

''لیکن مجھے تشویش ہے کہ دن بارہ بجے سے ابھی تک تم بالکل بے سدھ سو رہی تھیں۔۔دیکھو مغرب بس ہونے والی ہے'' شیزا نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا

ویرا پہلے ہی کھڑکی کی جانب دیکھ چکی تھی چنانچہ اس نے کوئی توجہ نہ دی۔۔اگر نہ بھی دیکھ چکی ہوتی تو پھر بھی اسے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ اس وقت وہ اداسی میں دبی بے حس و حرکت لیٹے ہوئے ارمان کو یاد کر رہی تھی۔۔

''ویرا'' شیزا نے ایک مرتبہ پھر پیار سے مخاطب کیا'' ویرا نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں پر ضبط کر رکھا تھا۔لیکن کب تک۔۔اس نے دردِ سر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اٹھنے کا فیصلہ کیا اور جونہی اٹھنے کیلئے اپنے ہاتھوں کو حرکت میں لایا تو دائیں ہاتھ کی مٹھی میں کوئی سخت سی چیز دبی ہوئی محسوس ہوئی۔۔مٹھی کھول کر دیکھی تو اس میں ارمان کی انگوٹھی تھی جس میں نیلم جڑا ہوا تھا۔۔ارمان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جا چکا تھا۔۔ایک ٹیس دل سے اٹھ کر سیدھا دماغ میں جا کر پھٹ گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ نکلیں۔۔

شیزا گھبرا گئی اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا'' کیا ہوا باجی کی جان۔۔سب ٹھیک تو ہے نا''

ویرا کے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے اور اس نے اپنے بازو شیزا کے گرد سختی سے لپیٹ لیے۔۔شیزا کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں۔۔اس کا ذہن کوئی ناخوشگوار واقعہ سننے کیلئے خود کو تیار کر رہا تھا لیکن اس نے بڑی بہن ہونے کے ناطے اپنی بھرپور ممتا کے ساتھ اسے آغوش میں لیا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد ویرا نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے لب کھولے'' باجی'' اس نے آہستہ سے کسی معصوم بچے کی طرح پکارا

شیزا نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا'' جی باجی کی جان'' اس کا حلق خشک ہو چکا تھا

'' آپ فکر مند نہ ہوں۔۔ویسا کچھ بھی نہیں ہوا جو اسلام آباد میں ہوا تھا۔۔بلکہ شاید کچھ ہوا ہی نہیں'' ویرا کا لہجہ غم ناک تھا۔

شیزا نے اس کا بھیگا ہوا چہرہ اپنی ہتھیلی میں اوپر اٹھا کر مخاطب ہوئی'' اگر کچھ ہوا ہی نہیں تو یہ آنکھوں میں بارش کیسی؟'' شیزہ نے غور سے اس کی آنکھوں میں کچھ پڑھنے کی کوشش کی لیکن الجھ کر رہ گئی۔۔ویرا نے ٹشو پیپر سے اپنی نم آنکھوں اور رخساروں کو

پونچھا اور کان میں اپنا آلہ سماعت درست کرتے ہوئے اطمینان سے اسکے کاندھے پر سر رکھ کر اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی، جس پر ارمان کی انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔

شیزہ نے تعجب سے انگوٹھی کو دیکھا اور پھر ہاتھ میں لے کر الٹتے پلٹتے ہوئے کہا ''یہ انگوٹھی کہاں سے آئی''

ویرا نے کچھ توقف کے بعد بات کا آغاز کیا ''باجی، آپ کو ارمان یاد ہے''

شیزا نے انگوٹھی واپس اس کی ہتھیلی میں رکھتے ہوئے بھنوئیں سکیڑ کر کہا ''کون ارمان''

ویرا کچھ سوچ میں پڑ گئی ''نہیں، آپ مائی کو بلا کر پوچھیں، مائی نے اسے دیکھا ہے''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔۔دونوں کی نگاہوں میں ایک دوسرے کیلئے تشویش کے آثار نمایاں تھے۔

''وہ یہاں ہمارے گھر آیا تھا۔۔پرسوں نو نومبر یوم اقبال تھا نا'' ویرا نے ذہن کو ٹٹولتے ہوئے کہا ''آپ نے مجھے علامہ اقبال کی کتاب بال جبریل تحفہ میں دی تھی''

شیزا کے دل کی دھڑکن ایک لحظہ کیلئے رک گئی۔۔اس کی تشویش بڑھ گئی ''تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو نا''

ویرا حیرت سے اسے تکنے لگی اور پھر آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''باجی آپ مائی کو بلائیں نا، میں بالکل مذاق نہیں کر رہی'' ''ویرا آج ہی نو نومبر ہے اور آج صبح ہی میں نے تمہیں وہ کتاب دی تھی'' شیزا نے میز پر پڑی کتاب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔ویرا کو دھچکا سا لگا اور وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت میں پلنگ سے نیچے اتری۔۔ہینڈ بیگ سے اپنی گھڑی نکالی جو وقت کے ساتھ دن اور تاریخ بھی بتاتی تھی۔۔ویرا کی نظریں گھڑی پر جم سی گئیں اور وہیں بت بنی کھڑی رہ گئی۔۔شیزا نے اس

کے پاس آ کر گھڑی اس کے ہاتھ سے لی اور واپس ہینڈ بیگ میں ڈال دی اور دوبارہ اسے پلنگ پر بٹھا دیا۔ ویرا بالکل گم سم ہو چکی تھی۔

''تم نے ضرور کوئی عجیب خواب دیکھا ہوگا''

ویرا نے چونک کر شیزہ کی طرف دیکھا

''ہاں کبھی کبھی ہم جب کوئی عجیب سا خواب دیکھ لیتے ہیں تو کچھ دیر کیلئے ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ حقیقت میں ہوا ہوگا''

''لیکن'' ویرا نے آہستہ سے کہا'' ارمان کوئی خواب نہیں ہوسکتا وہ میرا ہمجان تھا ۔۔میرا آدھا وجود۔۔ہم نے ایک دوسرے کی رفاقت میں وقت گزارا تھا۔۔یہ سب خواب کیسے ہوسکتا ہے''

شیزہ کی تشویش میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا''کیا ہمجان؟ آدھا حصہ؟''

ویرا نے مٹھی کھول کر ایک مرتبہ پھر شیزہ کو انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا''یہ انگوٹھی ارمان کی ہے۔۔ہاں اس نے مجھے بتایا تھا کہ جب یہ انگوٹھی اس کی انگلی سے اتر کر میرے ہاتھ میں رہ جائے گی تو وہ بھی لوٹ جائے گا۔۔ہاں وہ لوٹ چکا ہے لیکن یہ سب خواب کیسے ہوسکتا ہے'' ویرا ایک خاص State Of Mind میں بہہ رہی تھی''ہم دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت میں نہ جانے کتنے میلوں کا سفر طے کیا۔۔ہاں میں مانتی ہوں کہ یہ سب عام انسانوں کیلئے ناممکن سی بات ہے لیکن۔۔'' ویرا ایک لحظہ کیلئے رک کر کچھ سوچتے ہوئے بولی''لیکن ارمان کیلئے یہ سب کرنا ممکن تھا کیونکہ وہ زندہ نہیں تھا اور ایک روح کیلئے کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا''

''ویرا'' شیزا نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پکارا''تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ ہوش میں آؤ''

ویرا کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر نم اترنے لگا۔۔اس نے بے چارگی کے عالم میں شیزا کی طرف دیکھا ''باجی یہ سب خواب نہیں ہوسکتا''

شیزا نے اسے گلے سے لگالیا ''خواب تھا میری جان تم نے خواب دیکھا ہے''

☆☆☆☆

رات گئے تک جاگنا ویرا کا معمول بن چکا تھا۔۔وہ کمرے میں بیٹھ کر کھڑکی سے آنے والی چاند کی روشنی میں ارمان کی انگوٹھی کو دیکھتی اور پھر مٹھی میں بند کر کے خاموشی سے چاند کو تکنے لگتی۔۔شیزا کے بے حد اصرار کے باوجود وہ کسی ماہر نفسیات کے پاس جانے کو تیار نہ ہوئی۔۔وہ جان چکی تھی کہ اس نے ارمان کے ساتھ رفاقت کا وقت خواب میں گزارا تھا لیکن یہ بات ماننے کیلئے اس میں بالکل حوصلہ نہ تھا اور پھر ارمان کی انگوٹھی اس کے پاس تھی اس کے بعد کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی تھی کہ وہ اس تمام واقعہ کو ایک خواب سمجھ کر بھول جائے۔۔اسے بہت عرصہ لگ گیا خود کو یہ سمجھانے میں کہ دنیاوی وقت کا وجود کے اندر کے وقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔۔دنیا کی نیند سے اندر کے سفر کا کوئی واسطہ نہیں۔۔ارمان اس کے وجود کے اندر نازل ہوا تھا، وہ اس کے زخموں پر مرہم رکھتا رہا جو اس کی روح پر اسلام آباد میں لگے تھے۔۔وہ اس کے اندر کی توڑ پھوڑ کی مرمت کرتا رہا۔۔مایوسی کے جالوں کو صاف کرتا رہا اور اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا کر چلا گیا کہ معذور افراد بھی محبت کے قابل ہوتے ہیں۔

وہ اکثر پہروں ارمان کے ساتھ گزارے ہوئے ایک ایک لمحہ کو سوچتی رہتی۔۔ باتوں کو دل میں دہراتی اور اس کی واحد نشانی نیلم کی انگوٹھی کو ہونٹوں سے لگا کر رونے لگتی لیکن ایسا آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔۔شیزا نے بھی محسوس کیا کہ اب اس کی بہن نارمل حالت کی جانب لوٹ رہی ہے لیکن ایک انتظار کا موسم تھا جو کہ ویرا کی آنکھوں میں ٹھہر

چکا تھا!

انسان اپنے پرانے زخموں کو بھلانے کی کوشش میں انہیں یاد کے ساتھ باندھ کر خود کو فریب دینے سے کبھی باز نہیں آتا بظاہر وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر نظر آ ہے لیکن ذہنی طور پر کسی اور ہی دنیا کے سفر پر ہوتا ہے۔۔خواہشیں زنگ آلود ہونے لگتی ہیں۔۔محبت کے نام سے ڈر لگنے لگتا ہے۔۔دل میں ان دیکھے حوادث کا خوف پنپنے لگ ہے۔۔ہونٹوں پر یقینی و بے یقینی کی چپ لگ جاتی ہے۔۔ویرا بھی اسی چپ میں گرفتا تھی، وہ بظاہر نارمل لگتی لیکن اس کے ذہن میں کشاش الیکٹرک کیٹل میں چائے کی طرح ابلتی رہتی۔۔اس نے کوئٹہ کی جان لیوا سردیوں کا موسم محض ایک شال اوڑھ کر صحن میں ٹہلتے ہوئے گزار دیا۔

مارچ میں بسنت کا تہوار بہار کی اولین مسکراہٹ اور ویرا کی آنکھوں سے بہنے و آخری آنسو ثابت ہوا سینکڑوں پتنگیں کسی مصور کے برش کی طرح نیلے آسمان کے کھ کینوس پر رنگ بکھیر رہی تھیں۔اس دن ویرا کی نگاہیں صرف اس پتنگ کو تلاش کر اس کا تعاقب کرتیں جو ڈور سے کٹ کر آزادی سے ہوا میں ڈولنے لگتی۔۔۔شیزا لا میں پھولوں کو پانی دے رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے کال بیل بجائی۔۔اس نے و کی طرف دیکھا لیکن اس کا منہ آسمان کی طرف تھا، مجبوراً اسی نے جا کر دروازہ کھ سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا نوجوان نے شیزا کو دعوت نامہ تھمایا اور اپنی بائیک اسٹار کر کے وہاں سے چلا گیا۔۔دعوت نامہ ہیلپ کیفے کی جانب سے ویرا کے نام تھا ج میں اسے غفران کے ناول کی تقریب رونمائی میں مدعو کیا گیا تھا۔۔شیزا نے دعوت نا ویرا کے ہاتھ میں تھما کر دوبارہ پھولوں کو پانی دینا شروع کر دیا۔۔اس نے آسمان سے نظریں اتار کر دعوت نامہ پر مرکوز کر دیں، کچھ لمحوں بعد شیزا نے ایک لحظہ اس کی طرف

دیکھتے ہوئے سوال کیا "جاؤ گی؟"

ویرا نفی میں سر ہلاتے ہوئی دوبارہ اپنی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھا کر دعوت نامہ کو ہاتھوں میں آہستہ آہستہ گھمانے لگی۔

"چلی جاؤ۔۔ کافی عرصہ ہوا تم نے کیفے کا رخ نہیں کیا لیکن دیکھو کیفے والوں نے پھر بھی تمہیں یاد رکھا"

ویرا نے کوئی جواب نہ دیا

تھوڑے توقف کے بعد شیزہ نے گویا حتمی فیصلہ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا

"میں چاہتی ہوں کہ تم جاؤ اور تم جا رہی ہو بس"

ویرا نے شیزا کی طرف سنجیدگی سے دیکھا اور پھر دھیما سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا "آپ کی خوشی کے لیئے چلی جاؤں گی"

شیزا نے ہونٹوں کو سکیڑ کر دور سے ہی اس کی طرف بوسہ اچھالا۔ اب وہ ہلکے ہلکے گنگناتے ہوئے پھولوں کو پانی دے رہی تھی!

☆☆☆☆

"معذوری انسان کے اندر جنم لیتی ہے۔۔ جب انسان ہار مان لیتا ہے تو معذور ہو جاتا ہے۔۔ ہر انسان کسی نہ کسی حوالے سے معذور ہوتا ہے لیکن اصل معذور وہ ہے جسے دوسرے انسانوں سے اپنی معذوری کی تصدیق درکار ہوتی ہے۔۔ جو لوگوں سے ہمدردی بٹورتا ہے اور جب لوگ اس کی جانب توجہ نہیں دیتے تو عدم تعاون کا احساس اسے مفلوج کر دیتا ہے"

ہیلپ کیفے کا ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا سامنے اسٹیج پر غفران کرسی پر بیٹھا تھا، اس کے عقب میں ایک خوبصورت قد آدم بینر آویزاں تھا جس پر اس کے ناول کے سر

ورق کے ساتھ اس کی تصویر بنی ہوئی تھی غفران اپنے ناول سے عین معذوری پر لکھے گئے اقتسابات پڑھ کر حاضرین کو سنا رہا تھا

''معذوری ایک زاویہ نظر ہے۔۔ ہر معذوری ضروری نہیں کہ ظاہراً نظر بھی آئے ۔۔ کچھ لوگوں کے دل نابینا افراد کی آنکھوں کے پردوں سے زیادہ سیاہ و بے نور ہوتے ہیں، وہ ایسے معذور ہوتے ہیں جنہیں کوئی اپنے قریب بٹھانا گوارا نہیں کرتا۔ معذوری دراصل ذہن کی تخلیق ہے ذہن کی اصلاح کے بغیر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا''

اچانک ہال میں سے کسی نے سوال کیا ''کیا معذور افراد خدا کے زیادہ قریب ہوتے ہیں''

غفران نے کچھ سوچتے ہوئے جواباً کہا ''میرے نزدیک خدا سے ان لوگوں کے قربت کی انتہا کوئی کیا جانے جو کسی سہارے کے بنا کھانا تک نہیں کھا سکتے لیکن اس کے باوجود خود کو معذور کہلانا گناہ سمجھتے ہیں، خدا کی ناشکری تصور کرتے ہیں۔۔ اور وہ لوگ جو بستر پر لیٹ کر تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ نہیں اٹھا سکتے لیکن نماز نہیں چھوڑتے۔۔ اور وہ معذور افراد جو اپنی معذوری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیگر معذورین کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو کبھی ملال نہیں ہوتا، کبھی اپنے اندر کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا، وہ تنہائی میں خدا سے یوں ہم کلام ہوتے ہیں جیسے کوئی اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے''

''معذور افراد کے لیے معاشرے کا رویہ اتنا غیر انسانی کیوں ہوتا ہے'' حاضرین میں سے سوال آیا

''یہ بات درست ہے کہ معاشرے کا حقارت آمیز رویہ کسی بھی معذور فرد کے اندر احساس محرومی کو بڑھا دیتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آخر معاشرہ ایسا رویہ کیوں اختیار کرتا

ہے۔۔اس کی ایک وجہ جو مجھے سمجھ آئی ہے کہ ہوسکتا ہے لوگ جب معذور افراد کو دیکھتے ہیں تو انہیں خود معذور ہو جانے کا خوف گھیر لیتا ہو۔۔انہیں اپنے بچوں کی سلامتی کی فکر لگ جاتی ہو۔۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ کسی معذور فرد کی وہیل چیئر کو ہاتھ لگاتے ہوئے یا کسی نابینا فرد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ڈرتے ہیں جیسے انہیں ہاتھ لگاتے ہی وہ خود معذور ہو جائیں گے۔۔اور یہی خوف لاشعوری طور پر ناپسندیدگی کے روپ میں ان کے چہروں سے عیاں ہوکر معاشرے میں غیر انسانی رویوں کا سبب بنتا ہے جسے دیکھ کر معذور افراد کی سائیکی اور ان کا وجود ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے“

”بحثیت ایک فردِ معذور آپ کو معاشرے کے کس رویے پر سب سے زیادہ غصہ آتا ہے“ایک خاتون رپورٹر نے سوال کیا

”میرے وطن میں ہزاروں ایسے معذور افراد ہیں جن کی معذوری کی نوعیت انتہائی سنگین قسم کی ہے۔۔جو خود اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکتے،اٹھ بیٹھ نہیں سکتے،کوئی بھی کام کسی سہارے کے بنا نہیں کر سکتے۔۔انہیں ہمہ وقت کسی attendent کی ضرورت رہتی ہے جو ان کا خیال رکھ سکے۔۔ان کے گھر والے بیچارے معاش کے لیئے انہیں جبراً تنہا چھوڑ کر گھر سے باہر نہ جائیں تو کھائیں کہاں سے؟؟اور ستم ظریفی دیکھیئے کہ اس وطن عزیز کے صدر،وزیراعظم سے لے کر وزراء تک،فوج کے افسران سے لے کر سول بیوروکیٹس تک سب درجنوں ماتحت سرکاری ملازموں کی فوج اپنے ساتھ رکھتے ہیں جو ان کے ہاتھ میں قلم پکڑانے،پانی کا گلاس تھمانے،گاڑی کا دروازہ کھولنے سے لے کر ان کے [illegible] گود میں اٹھا کر دودھ پلانے تک کا کام سرکاری تنخواہ پر سرانجام دیتے ہیں۔۔ہمارے اور آپ کے ٹیکس کے پیسوں پر عیاشی کرنے والے انہی لوگوں کی بے حسی دیکھ کر مجھے شدید غصہ آتا ہے کہ جن معذور افراد کو سرکاری خرچ پر

attendents کی ضرورت ہے انکو قید تنہائی میں مرنے کے لیئے چھوڑ دیا گیا ہے۔۔لیکن جن لوگوں کو خدا نے ہاتھ پاؤں سلامت دے رکھے ہیں وہ خود اپنی نشست سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھولنا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔۔حکمرانوں اور ارباب اختیار کی اسی مردہ ضمیری کو دیکھ کر میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔۔پتہ نہیں کب ان لوگوں کو خدا احساس کی دولت عطا فرمائے گا''

ھال میں کچھ دیر کے لیئے خاموشی طاری ہو گئی

''احساس معذوری کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے'' ایک سماعت سے محروم لڑکی نے ہاتھوں کے اشارے سے سوال کیا جسے وہاں موجود انٹرپریٹر نے غفران کو سمجھایا

''احساس معذوری سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کے قریب ہو جائے۔۔خدا سے دوری ہی احساس معذوری کو جنم دیتی ہے، اپنے ارادوں کو عمل کے حوالے کر دو احساس معذوری ختم ہو جائے گا۔۔جو کچھ بھی حاصل ہے اس پر سجدہ شکر ادا کرو احساس معذوری مٹ جائے گا۔۔معذوری کچھ بھی نہیں یہ ہمارے اندر کے خوف کا تراشا ہوا بت ہے، اس لیئے جب کوئی معذور فرد دل کے کعبہ میں خدا کو لا کر بٹھاتا ہے تو یہ بت پاش پاش ہو کر دل سے نکل جاتا ہے۔۔دوستو یاد رکھنا، کہ معذوری کوئی بیماری نہیں ہوتی بلکہ احساس معذوری ضرور ایک بیماری ہے۔۔جب لوگوں کو کسی معذور فرد سے یوں ملتا دیکھو گویا وہ اسے معذور تصور ہی نہیں کر رہے بلکہ اس کی شخصیت گفتار اور کردار سے متاثر نظر آتے ہیں تو سمجھ لینا کہ اس معذور فرد کے وجود میں موجود حوصلہ چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہے۔۔خدا تعالیٰ انسان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ اس پر نہیں ڈالتا۔۔بس انسان کو اپنے اندر جھانکنے کی ضرورت ہے''

افشاں تقیہ

ویرا مقررہ وقت سے کچھ تاخیر سے ہال میں داخل ہوئی اور جونہی اس کی نگاہ غفران پر پڑی وہ وہیں سکت ہوگئی اس کی نگاہیں غفران پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سب سے پچھلی نشست پر جا کر بیٹھ گئی وہ مکمل حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔ ہال میں موجود حاضرین غفران کو انہماک سے سن رہے تھے لیکن ویرا اپنے ہوش وحواس کھو چکی تھی۔۔ کافی دیر بعد اس کی سہیلی نے اس کے گھٹنوں پر تھپکی دی تو اس نے یوں چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے ابھی نیند سے جاگی ہو وہ چند لمحوں تک اپنی سہیلی کو خالی آنکھوں سے تکتی رہی اور پھر یک دم اس کی نگاہیں سٹیج کی جانب گھوم گئیں لیکن وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا بلکہ ہال میں گہما گہمی کا سماں تھا۔

محفل ختم ہو چکی تھی۔

تمام حاضرین کیلئے چائے کا انتظام کیا گیا تھا، شرکائے محفل اپنے ہاتھوں میں چائے کا کپ تھامے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔۔ ویرا، یوں بے خیالی میں اپنی سہیلی کے سامنے سے اٹھ کر روانہ ہوگئی جیسے وہ اسے جانتی ہی نہ تھی وہ ہال میں بنا کسی کی پرواہ کیے غفران کی تلاش میں نکل پڑی۔۔ ذرا سی تلاش کے بعد ہی غفران اسے ایک کونے میں چند لوگوں کے گھیرے میں بیٹھا نظر آ گیا۔۔ اسکی سانس ایک مرتبہ پھر تھم کے رہ گئی اس نے دھیرے سے اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو ایک طرف ہٹایا اور جونہی غفران کی نگاہیں ویرا سے چار ہوئیں غفران کے ہاتھوں میں

پکڑا ہوا چائے کا کپ [illegible] کپکپا کر رہ گیا۔۔لبوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ غائب اور ماتھے پر پسینے کی باریک بوندیں چمکنے لگیں۔۔

اب کے ویرا کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری ''کیا میں صرف پانچ منٹ کیلئے آپ سے تنہائی میں بات کر سکتی ہوں''

غفران نے آہستہ سے سر ہلاتے ہوئے چائے کا کپ سامنے میز پر رکھا۔۔ویرا نے اردگرد موجود لوگوں کی طرف دیکھا۔۔تو سب باری باری ادھر ادھر کھسک گئے۔

ویرا غفران کے سامنے والی نشست پر آرام سے بیٹھ گئی، دونوں کے بیچ میں شیشے کی میز تھی اور دونوں پر خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔۔ویرا ایک نظر ہال پر ڈالتے ہوئے انتہائی سرگوشی میں غفران سے مخاطب ہوئی ''تم اور یہاں، یہ کیا مذاق ہے''

غفران کی آنکھیں ویرا کے چہرے پر مرکوز کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں

''بولو نا'' ویرا نے انگوٹھی سے ٹیبل بجائی ''اسے پہچانتے ہو'' اس نے انگوٹھی دکھاتے ہوئے سوال کیا

''تم کون ہو'' غفران کے حلق سے بڑی بالکل مشکل سے آواز نکلی

''اب کوئی ڈرامہ نہیں چلے گا ارمان، پلیز''

''ارمان'' غفران نے عجیب لہجہ میں نام دہرایا

دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھنے لگے

''تم۔۔'' غفران نے اپنا ہاتھ ٹیبل پر سرکا کر ویرا کے ہاتھ کو چھوتے ہوئے اسے مخاطب کیا ''تم زمین ہو یا کوئی اور''

''زمین'' ویرا نے سنجیدگی سے نام دہرایا

دونوں ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئے

غفران سراپا 'ارمان' سے مشابہہ تھا۔۔جبکہ ویرا ہو بہو 'نرمین' سے مشابہہ تھی۔

''میرا نام غفران ہے''

ویرا کے خانہ ءدل میں ہلکی سی ارتعاش کے بعد ارمان کی آواز گونجی

''ویرا تمہارا ہمجان مرا ہے تم نہیں۔۔کیا ہوا اگر تمہارے نصیب میں لکھا شخص تم کو نہیں مل سکا لیکن وہ شخص جس کے نصیب میں تم لکھی ہو وہ تمہیں ضرور ملے گا ایک انسان دوسرے انسان سے منسلک ایک محبت سے دوسری محبت سے بندھا ہوا یہ نصیب کا جال پوری کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔۔بس دل کی آواز پر کان رکھنا'' ویرا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور آہستہ آہستہ سکون کی لہر سر سے پاؤں تک سرایت کر گئی، چہرے پر اطمینان اور آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اس نے ایک لمبی سانس بھر کر کچھ توقف کے بعد لب کھولے

''میرا نام ویرا ہے''

غفران اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا ''میں یوں آپ کو حیرت سے دیکھنے پر شرمندہ ہوں''

''کیا میں حیرت کی وجہ پوچھ سکتی ہوں''

نرمین' کے ذکر پر اداس ہو جانے والا غفران ویرا کے سوال پر مسکرا دیا ''اگر نرمین مر نہ گئی ہوتی تو میں ہرگز یقین نہ کرتا کہ آپ کا نام ویرا ہے۔۔نرمین میری محبت تھی''

''میری غلط فہمی کی وجہ بھی کچھ ایسی ہی ہے'' ویرا نے اپنی ٹھوڑی تلے ہتھیلی جماتے ہوئے اسے دیکھا ''میرا ہمجان بھی ایک حادثے میں مر چکا ہے۔۔لیکن آپ کو دیکھ کر اُس آنکھوں دیکھے حادثے پر بالکل یقین کرنے کو دل نہیں مان رہا''

''ہمجان'' غفران کو لفظ عجیب سا لگا

''Soul Mate۔۔ ہمارے وجود کا آدھا حصہ''

''دلچسپ'' غفران نے اپنے دونوں بازو میز پر پھیلا دیے ''میں آپ سے کسی روز ضرور اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہوں گا''

''مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر وہ دن کل ہی آ جائے''

دونوں کے لبوں پر ایک بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی۔

ڈاکٹر قدرت کے عقب میں کھڑے پروفیسر جادوگر سمیت ہال میں موجود تمام حاضرین مجلس کی نگاہیں ان دونوں پر مرکوز تھیں شیشے کی میز پر دونوں کے عکس نمایاں تھے ۔۔ لیکن جہاں ویرا کا عکس ہونا چاہیے تھا وہاں غفران کا عکس تھا اور اسی طرح غفران کے عکس کی جگہ ویرا کا عکس ٹھوڑی تلے ہتھیلی جمائے غفران کے سحر میں گم تھا!!!

*************** ختم شد ***************

☆ کوہ مہردر: کوئٹہ کے مشرق میں واقع پہاڑ جسے غلط العام میں کوہ مُردار کہا جاتا ہے